کلیات شیفتہ و حسرتی
جس میں
دیوان ریختہ و دیوان فارسی و تقریظات فارسی شامل ہیں
از تصنیفات جناب مغفرت مآب نواب اعظم الدولہ سرفراز الملک
محمد مصطفیٰ خاں صاحب مظفر جنگ دہلوی متخلص بہ حسرتی و شیفتہ
مع دیباچہ و سوانح عمری مصنف
از خاکسار نظامی بدایونی
حسب فرمائش جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب
باہتمام نظام الدین حسین نظامی پروپرائٹر و پرنٹر
نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا
سنہ ۱۹۱۶ء

حضرت شیفتہ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس طرح زمانے کی ہوا پلٹ جانے سے ملک کے لوگوں کے خیالات خصائل، عادات، مشاغل، طرزِ بود و ماند، لباس و خوراک میں تغیّر واقع ہو گیا ہے اسی طرح ان کا علمی مذاق بھی بدل گیا ہے تیرھویں صدی کے وسط میں۔ اُردو اور فارسی ادب میں جن لوگوں نے چار چاند لگائے تھے آج اُن کے کلام کے سمجھنے والے بھی نظر نہیں آتے ذوق، غالب، مومن، صہبائی، علوی، آزردہ، حسرتی اُن باکمال لوگوں میں ہوئے ہیں کہ جن پر آج ہندوستان جسقدر فخر کرے کم ہے اور اب اس گئے گزرے زمانہ میں اِن بزرگوں کا نام زندہ رکھنے والے حالی اور شبلی باقی تھے وہ بھی ایک ایک کرکے دُنیا سے اُٹھ گئے۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات جاوید حاصل ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم[1] + ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

[1] ایک موقع پر خواجہ حافظ کے اس شعر کو سید مرحوم نے کچھ تصرف کے ساتھ لکھا تھا ہم نے بھی اُنھیں کا تتبع کیا ہے ۱۲

اُن کا کلام جو اعلیٰ اخلاق اور سچے جذبات سے پُر ہے جس سے ان کے دل و دماغ کے صحیح ہونے کا پتا چلتا ہے اور اُن کی بلند نظری اور خوض و فکر وغیرہ کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت بھی ملک کے لیے ویسا ہی سرمایہ افتخار ہے جیسا کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد جو دیوان آپ کی نظر سے گزرے گا وہ جناب غفراں مآب نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر (المتخلص بہ شیفتہ بہ اُردو و حسرتی بہ فارسی) کا کلیات ہے جس کی اشاعت کا فخر ہمیں نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید عالی جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ و آنریری سکرٹری ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ کی کرم گستری و اجازت سے حاصل ہوا ہے۔ چونکہ کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اُس کی زندگی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ایک حد تک ضروری ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور کے حالات زندگی اس موقع پر مختصراً درج کریں۔

خاندان | نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضےٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے فرزند تھے۔ اور نواب مرلی داد خاں

مرحوم خاندان بنگش سے تھے جبکہ دہلی میں خاندان بنگش کا عروج تھا وہ کوہاٹ سے دہلی تشریف لائے اور اپنے صاحبزادہ نواب مرتضےٰ خاں صاحب کی شادی اُس زمانہ کے مشہور سپہ سالار اسمٰعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحبزادی نواب اکبری بیگم صاحبہ سے کی۔ اور جو فوج مرہٹوں سے اُس وقت برسرپیکار تھی اُس میں عہدہ دار ہوئے۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ اُس وقت نواب مرتضیٰ خاں صاحب کو لارڈ موصوف نے دہلی کے قریب ہوڈل پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے منجملہ اُن کے نواب مرتضیٰ خاں صاحب بھی تھے۔

سنہ ۱۸۱۴ء میں نواب ممدوح نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھودس رائے کی ملکیت تھا اور بعلّت عدم ادائے مالگذاری نیلام ہوا خرید لیا اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد ہوڈل پلول کے علاقہ کو گورنمنٹ نے واپس لے لیا اور اُس کے عوض میں اراکین خاندان کی پنشن مقرر کر دی جو غدر ۱۸۵۷ء تک جاری رہی۔

نواب مرتضیٰ خاں صاحب نے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنی حیات میں صاحبزادہ

مصطفےٰ خاں کے نام منتقل کر دیا تھا جو اُن کے بعد اُن کی اولاد کی ملکیت میں آیا اور اس وقت تک قائم و برقرار ہے۔

ولادت

نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب کی ولادت سنہ ۱۸۰۶ء میں بمقام دہلی ہوئی۔

تعلیم وتربیت

میاں جی مالا مال[۵۱] سے جو دہلی کے ایک مشہور بزرگ اور سربرآوردہ معلمین میں تھے فارسی، عربی پڑھی اور علوم مروجہ حاصل کیے۔

حضرت مولانا حاجی محمد نور دہلوی[۵۲] نقشبندی سے بھی جو جامع علوم ظاہر و باطن تھے خاصکر فن حدیث و تجوید میں اُس وقت اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا آپ نے حدیث و قرارت کا استفادہ حاصل کیا۔ علوم دین سے آپ کو ایسا شوق و شغف تھا کہ طلب کی تشنگی کسی وقت فرو نہ ہوتی تھی۔

سنہ ۱۲۵۵ھ میں جب کہ آپ کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی مکہ معظمہ

---

۵۱ میاں جی صاحب کا مزار دہلی میں حضرت سلطان الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں نواب صاحب کے سرہانے ایک چھوٹے چبوترہ پر واقع ہے۔

۵۲ حاجی محمد نور صاحب کا مزار سورت میں ہے جب آپ دوبارہ بارادہ حج جا رہے تھے راستہ میں بمقام سورت شعبان سنہ ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا۔

کے فاضل اجل عالم باعمل حضرت شیخ عبد اللہ سراج حنفی سے آپ نے صحاح کے ابتدائی حصے تبرکاً پڑھے تھے جبتک مکہ معظمہ میں قیام رہا آپ برابر اُن سے فیض حاصل کرتے رہے ۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد عابد صاحب سندھی سے اکثر حدیث کی کتابوں کے خاص خاص مقامات پڑھے اور روایت کرنے کی اجازت حاصل کی ۔ ان کے علاوہ مولوی کرم اللہ صاحب محدث علیہ الرحمہ سے جو خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہٗ کے تھے آپ نے کچھ علوم پڑھے تھے ۔[۵۱]

عادات وخصائل وطریق ماند وبود

نواب صاحب[۵۲] مرحوم رات کو باختلاف موسم دو بجے سے ۳ بجے تک تہجد کے واسطے بیدار ہوتے تھے اور نماز تہجد اور صبح کے درمیان مسنون قیلولہ کے بعد صبح کی نماز مسجد میں جاکر سفر ہو یا حضر اول جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے اور اکثر مسجد سے واپس آکر اشراق تک وظائف واذکار ختم کرتے

---

۵۱ از ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین مصنفہ حضرت مولانا شاہ محمد معصوم صاحب مجددی مقیم مدینہ شریف ۱۲

۵۲ یہ حالات ہمیں مولانا فرحی صاحب سے بمقام رامپور اوائل ستمبر ۱۹۱۵ء میں اُن سے ملاقات کا فخر حاصل ہوا تھا دستیاب ہوئے مولانا موصوف کو ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۹ء تک نواب صاحب کی خدمت میں مسلسل رہنے کا اتفاق ہوا تھا ۱۲

کے بعد متعلقین سے ملتے تھے دس بجے کھانا تناول فرما کر قدرے قیلولہ فرماتے تھے اسی کے بعد ظہر سے پہلے پہلے حدیث شریف یا تصوف یا سیر کی کسی کتاب کا مطالعہ بھی فرما لیتے تھے۔ اول وقت ظہر کی نماز مسجد میں جا کر جماعت اولے کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح عصر اور مغرب کی نمازیں اول وقت ادا فرماتے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول کر کے بلافصل استراحت فرماتے تھے بیماری کی حالت میں جبکہ راتوں کو نیند کم آتی تھی دیگر امرا کی طرح داستان یا قصے نہیں سنتے تھے بلکہ کسی کتاب سے حمد و نعت مناجات یا منقبت اہل بیت پڑھوا کر سنتے اور سو جاتے۔

عصر اور مغرب کے درمیان مصاحبین واکابر مہمانوں سے جو آپ کی مہمان نوازی کے سبب اکثر موجود رہتے تھے صحبت رہتی تھی۔ مصاحبت میں مولانا حالی مرحوم جیسے لوگ ہم صحبت تھے۔ نواب مرحوم اسقدر کم گو تھے کہ ابتدا ملاقات میں نئے آدمی کو خود داری کا گمان ہوتا تھا لیکن اُن کے جلسہ میں کسی ادنے یا اعلے کی غیبت کا گزر نہ تھا اُن کی صحبت متین اور مہذب ظرافت اور لطیفوں سے خالی نہ تھی یعنی زہد خشک سے جو ریا کے درجہ تک پہنچتا ہے بری تھی دینی و دنیوی جو بات تھی بناوٹ اور تصنع سے کوسوں دور تھی۔

نواب صاحب کا اصول تھا کہ تمام خطوط کا جواب فوراً دیا جائے چنانچہ جو خطوط
آپ کے پاس آتے تھے اُن کا جواب ہر روزہ لکھوا دیتے تھے جس زبان
میں خطوط آتے تھے اُسی زبان میں جواب لکھواتے فارسی خطوط کا جواب
فارسی میں اُردو خطوط کا اُردو میں جواب دیتے تھے۔ آپ اپنے پیش دست
کو عبارت خطوط کی خود نہیں لکھواتے تھے بلکہ وہ خط لکھکر پیش کرتا آپ
اس کی اصلاح فرما دیتے تھے اصلاح کے بعد خطوط صاف کیے جاتے تھے۔
ایک زمانہ تک خطوط نویسی کا کام نواب صاحب اپنے بڑے صاحبزادہ نواب
محمد علی خاں صاحب سے لیتے رہے جس سے صرف اُنکی تربیت و تعلیم
مقصود تھی مولانا فرخی صاحب نے بھی جب مولانا موصوف جہانگیر آباد میں طالب علمی
کے زمانہ میں موجود تھے نواب صاحب کی خدمت کو انجام دیا ہے۔
مولانائے موصوف فرماتے تھے کہ "نواب صاحب مرحوم ہمارے لکھے
ہوئے خطوط کی اصلاح میں محاورات زبان اور املا کا بے حد خیال فرماتے
تھے یہاں تک کہ اگر کبھی میں لفظ "تم نے" کو ملا کر تمنے لکھدیتا تو اُس کو
کاٹ کر "تم نے" لکھدیتے" گویا آپ ہر لفظ کو علٰحدہ علٰحدہ لکھنے کے حامی
تھے اور اُردو املا کے اس رسم خط کی ضرورت کو جسے آج کے مصلحان اُردو رائج

کرنا چاہتے ہیں آپ آج سے پچاس برس پہلے محسوس کر چکے تھے۔

نواب صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا قلم کاغذ کیسا ہی خراب ہو مگر معلوم ہوتا تھا کہ مینا کیا ہوا ہی۔ باوجود خوشخط ہونے کے اپنے ہاتھ سے قلم نہیں بناتے تھے۔

جوانی میں آپ کو گھوڑے کی سواری کا بہت شوق تھا۔ پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی اسی شوق کے یادگار کے طور پر ان کا اصطبل گھوڑوں سے امور رہتا تھا۔

بزرگوں سے عقیدت وبیعت سب سے پہلے قدوۃ الاصفیا شیخ الفقہا سید المحدثین مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے جو شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ العزیز کے نواسے اور دہلی کے مشہور محدث اور اکابر شیوخ سے تھے بیعت کی۔

ان کے وصال کے بعد شاہ ابو سعید صاحب اور شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سجادہ نشین حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فیوض باطنی کرتے رہے۔ آخر میں حضرت شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز سے تجدید بیعت فرمائی۔ شاہ صاحب نے آپ کو سلسلہ طیبہ نقشبندیہ میں سند خلافت بھی

عطا کی تھی۔ شاہ صاحب موصوف اُن کو اپنے خلفاء[۵] اجل سے سمجھتے تھے اور اپنے مریدین کو تکمیل کے واسطے نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔

نواب صاحب شب و روز مجاہدے اور ریاضت میں بسر کرتے تھے آپ کا کشفِ قبور اس وقت مشہور تھا اور نسبت زبردست تھی۔ مولانا ولی النبی صاحب رامپوری جو خاندان نقشبندیہ کے صاحب کمال بزرگ تھے فرماتے

۵؎ شاہ صاحب کا مندرجہ ذیل خط قابل ملاحظہ ہے
بسم اللہ الرحمن الرحیم از عبدالغنی عمیم الاحسان نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب۔ سلام مطالعہ فرمایند۔
تا شانزدہم محرم الحمد للہ بخیر ہستم و سلامتی ایشاں مطلوب پیشتر بدست مومن علی خاں مکتوب فرستادہ ام امید کہ دعا در حق فقیر مبذول مودہ باشند۔ میاں اسد اللہ داخل طریقہ شدہ اند امید کہ برحال ایشاں عنایت مبذول دارند والسلام سلجر زند عزیزہ معہ فرزندان سلام برسد میاں عزیز و میاں رشید سلام خوانند۔
ایک دوسرا خط بنام احمد جان صاحب دہلوی برادر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے نام شاہ صاحب نے بھیجا تھا جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے تعلقات نواب صاحب کے ساتھ کس درجہ کے تھے وہ خط یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از عبدالغنی برادر عزیز جان علیم اللہ خان المشتہر بمیاں احمد خاں سلام خوانند و مکتوب آں مکرم فی الحال در مکہ معظمہ رسید نداز مطالعہ او فرحت و حظ تام حاصل گشت الحمد للہ فقیر تا کتابت بخیر ہست و خیریت شما از مصائب دارین مطلوب۔ بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین از رحلت نواب مصطفےٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ عزوجل چہ ذوق بہا بردل ناتواں رسیدند ؎ من از چشم تو اے ساقی خراب افتادہ ام + اما بلائے کز حبیب آید ہزارش مرحبا گفتم۔
اما شاء اللہ تعالیٰ و ایاکم فی حیہ و احیاناً و ایاکم فی ودہ۔ چنانچہ از طرف ایشان وصی بر اہل و عیال ہستید از طرف من نیز شما وکیل ہستید۔ وکفیٰ باللہ وکیلا۔ عیال ایشان را عیال من شمارید و ذوقہا از صحبت ایشاں بر ستید و شوقہا از مجلس شان برخواستید۔ سیر گل سیر ندیدند و بہار آخر شد۔ از کیفیت ہائے خویش نوشتید بسیار محظوظ شدم۔ چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی + بیاد آر محبان بادہ پیما را۔
مخدوما۔ ولی بایل غیر است از وے چہ توقع خیر است در وحی کہ مایل بہ کہتر است نفس اماراز وے بہتر است بلند نفس باشد بہتر سہیل نہ نماید نسبتی مجد و نقشبندیہ اگرچہ قلیل باشد قلیل نیست کہ مقتبس از مشکوٰۃ سنت نبوی است و سنت موجب فخر ما گشتہ ؎ ما در کمیں جلوے صید ہوس نشستہ ایم + گوطائرے کہ گرد فشاند بدام ما۔ والسلام
تمر مدینہ ہمراہ مکتوب نواب محمد علیخاں در جہانگیر آباد فرستادہ ام (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دہلی پہنچنے کی اطلاع نواب صاحب کو خط کے ذریعہ سے دی مگر اتفاق سے وہ خط کے پہنچنے سے پیشتر پہنچ گئے اور خط نواب صاحب کو ان کی موجودگی میں ملا۔ قبل اس کے کہ خط کو کھولیں یا پڑھیں اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ "کیا آپ کو بھی اس وقت نسبت نقشبندیہ کی کچھ خوشبو آتی ہے۔ میرا دماغ تو اس خوشبو سے مالامال ہو گیا ہے"

مولانا حالی مرحوم کی زبانی نقل ہے کہ ایک بار نواب صاحب مولانا شاہ غوث علی پانی پتی کی زیارت کو پانی پت تشریف لے گئے۔ چند روز مولانا سے اوقات خاص میں صحبت رہی۔ وقت مراجعت و رخصت مولانا نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کا ہاتھ ذرا زور سے دبایا۔ اسی طرح تین بار مصافحہ کیا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ ہر بار میرے قلب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جو بیان میں نہیں آسکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اگر حصہ خود بایند دہن شیرین نمایند و لتیح ہا اگر میاں ناصر وزیر بدہند در میان خود۔ میر عبدالرحمان و میر عوض علی و مولوی ولی النبی صاحب و ہمشیرہ عزیزہ اہل خانہ میاں امو جان غفر اللہ لہ تقسیم نمایند فلوس در مکتوب نوشتند تا ہنوز نرسیدہ اند۔ از عبدالرحمن و اسمٰعیل و ہمشیرہ با خوانند ہمہ ہا سلام۔ تمام شد

مذہب کا احترام اور شرعی پابندی

آپ نہ صرف صوفی با صفا تھے بلکہ عالم با عمل تھے۔ اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کبھی کسی شرعی مسئلہ میں توجیہ و تاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں آپ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :-

"ہم نے خود دیکھا ہے کہ نواب مصطفٰے خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گرو تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اُس کو چھڑانا چاہا۔ ہرچند کہ رہن نامہ میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف و مباح کر دیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک بخوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتوے دیدیا تھا لیکن اُس مرحوم مغفور نے یہ حدیث پڑھی کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ اور جسقدر محاصل اُس موضع سے وصول ہوا تھا زر رہن میں سے سب مجرا دیکر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ یہ بات دہلی میں آج تک مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب قدس سرہ اس احتیاط کے سبب کہ آموں کی فصل قبل پھل آنے کے عموماً فروخت ہو جاتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے کبھی آم نہیں کھاتے

تھے۔ نواب صاحب نے اپنے علاقہ میں سختی سے اس شرعی احتیاط کو قایم رکھا تھا کہ جب تک کہ پورے طور پہ پھل نہ آ جائے اُس وقت تک فصل فروخت نہ کی جائے چنانچہ اب تک وہ قاعدہ جاری ہی۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب ہمیشہ جہانگیر آباد کا آم بغیر کسی عذر کے کھایا کرتے تھے۔

ورع و تقویٰ

جن ایام میں نواب صاحب باشتباہ بغاوت قید و بند میں مبتلا تھے ایک وصیت نامہ بنام مہین فرزند محمد علی خاں صاحب وغیرہم تحریر فرمادیا تھا اُس میں بنظر انتظام جملہ متعلقین و متوسلین کے لیے مقدار مصارف بالتفصیل معین کر دی تھی۔ دیون کے ادا کرنے کی تاکید تھی۔ بعد وفات قضا روزوں کے کفارہ ادا کرنے کی ہدایت تھی۔ ان وصایا کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ آپ احکام شرعی کی بجا آوری میں کیسے راسخ اور ثابت قدم تھے اور خدا کی ذات پر کسقدر بھروسہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس وصیت نامہ میں منجملہ دیگر امور کے رمضان شریف کے روزوں کے قضا کا حساب اور اس کے کفارہ کے ادا کی تاکید جن الفاظ میں لکھی ہے وہ یہ ہیں

"میرے اوپر رمضان شریف کے روزے ہیں خوب یاد نہیں مگر احتیاطاً دس رمضان کے لکھ لینا جس کے دس مہینے ہوئے ہر روزہ کی بابت ایک شخص

مسلمان کو دو سیر گندم چاہئیں۔ جس کے مہینہ کے ڈیڑھ من ہوئے تو دس مہینے
کے پندرہ من ہوے ان کا دینا ضرور ہے مگر میری موت کے بعد کس واسطے
کہ زندگی میں یہ کفّارہ ادا نہیں ہوتا پس جب میری موت کا حال سن لو جو
شخص اس وقت میں زندہ ہو وہ پندرہ من گیہوں کہ ایک ایک فقیر کو
دو دو سیر گیہوں دے۔"

سفر حجاز | نواب صاحب نے یہ مبارک سفر[1] ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو شروع کیا۔
آپ کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ اور چند متوسلین ہمراہ تھے۔ بمبئی تک منزل
بمنزل خشکی کا راستہ طے کیا اثنار راہ میں اکثر بزرگان دین کے مزارات پر حاضری
کا موقعہ ملا اور اکثر اہل اللہ سے قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل آپ نے
اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے۔ جس کا فارسی نام برہ آورد اور عربی میں ترغیب السالک
الی احسن المسالک ہے جو ان کی حیات میں طبع ہو چکا تھا ان ناگزیر مشکلات

---

[1] آپ نے اپنا سفرنامہ جو در اصل اس مقدس سفر کا تاریخی روزنامچہ ہے نہایت تفصیل کے ساتھ شستہ فارسی میں مرتب فرمایا تھا۔ جس کا عربی نام ترغیب السالک الی احسن المسالک اور فارسی برہ آورد ہے۔ آپ کی زندگی میں شایع ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اس کا اردو ترجمہ سید زین العابدین صاحب بی۔ اے منصرم عدالتججی فرخ آباد نے شایع کیا جس کا نام سراج منیر ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ نواب صاحب کی دیگر تصانیف کے سلسلہ میں اس کتاب کا ذکر بھی ملاحظہ ہو۔

کے علاوہ جو ۱۸۵۷ء سے قبل برّی و بحری سفر میں حجاج کو پیش آیا کرتی تھیں نواب صاحب مرحوم کو ایک ہولناک واقعہ پیش آیا کہ حدیدہ سے آگے چلکر جہاز چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور مسافر کشتیوں کے ذریعہ سے ایک ویران جزیرے میں اُتار دیے گئے۔ جہاز میں سے سامان خوراک بھی کم ملا اور آب شیریں کے صرف آٹھ پیپے ہاتھ آئے اور ہمراہی دو سو سے زائد تھے۔ ایک ایک پیالہ پانی ہر شخص کو صبح و شام پینے کے لیے ملتا تھا۔ چار دن کے بعد سب کے مشورے سے نو آدمی ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھکر ساحل کی تلاش میں روانہ ہوئے وہ سات روز کے بعد ساحل بحر کی ایک بستی میں پہنچے اور اپنے قافلہ کی مصیبت بیان کی وہاں کے حاکم نے سات کشتیاں مصیبت زدوں کی امداد کے لیے بھیجیں۔ جب اس جزیرے کا پتہ نہ لگا تو پانچ واپس چلی گئیں۔ لیکن دو کشتیاں ہمت کر کے بحر عجم کی طرف بڑھیں جن کو یہ جزیرہ مل گیا۔ ان دو کشتیوں کو دیکھکر سب خوش ہوئے جتنے آدمی سما سکے ساحل کی طرف روانہ کیے گئے۔ مگر اس بُرے وقت میں نواب صاحب اُن لوگوں کے ساتھ رہے جو روانہ نہو سکے تھے اور محض فضل خداوندی پر بھروسا کر کے اُسی ویرانے میں پڑے رہے چند روز کے بعد دو کشتیاں اُسی حاکم کی

بھیجی ہوئی اور آ پہنچیں مگر طوفان کی وجہ سے دس دن تک روانگی ملتوی
کرنی پڑی جب طوفان فرو ہوا تو نواب صاحب مع بقیہ ہمراہیان کے
چل پڑے اور وہ سب سے آخر شخص تھے جو کشتی پر سوار ہوئے بالآخر
ساحل لیث پر بخیر وسلامت جا اترے اور وہاں سے براہ یمن عازم مکہ
معظمہ ہوئے۔ اس واقعہ کو نواب صاحب نے اپنے سفر نامہ "برہ آورد"
میں زبان فارسی میں حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں :۔
ع اَنَا الْغَرِیْقُ فَمَا خَوْفِیْ مِنَ الْبَلَلِ - بہمہ حال بدیں نوع باں جزیرہ رسیدہ
جزیرہ بود وچہ جزیرہ کہ چشم حاسد ازاں فراخ تر باشد ودل لئیم ازاں
کشادہ تر و معہذا نہالے کہ بسایۂ آں تواں نشست ونہ درختے کہ از میوہ
آں بہرہ تواں برداشت نہ آب را دراں وجودی ونہ دانہ را دراں
نمودی نہ راہی کہ ازاں جا تواں گزشت ونہ ساحلی کہ بانجا تواں رسید
حال جزیرہ باین خرابی کہ گفتم طور سفینہ باآں زبونی کہ شنیدی اکنوں چہ باید
کرد چوں چارہ دگر نہ بود لاجرم بجزیرہ فرود آمدن تا اجل مقدر ہمہ را اں
جا گزرانیدن ضرورت افتاد ہر چہ ازاں اسباب وکالا از آب بالا
بود از جہاز بدریا انداختہ آمد کہ تدبیر فرود آوردن ایں بود وبس پس ہر آنچہ

پیش ما ماندنی بود بحکم خالق بحر و بر باد شرط و موج دریا شرط زورقی و ملاحی بجا آورده بما سپرده و هر آنچه رفتنی بود بسمت دیگر برد سپاس خدای را عزوجل که بسیار آمد و کمتر رفت اما دراں حال نه از رفتن حزنی و نه از آمدن سروری همچنیں بر امیل آب شیریں بدریا انداخته شد رفتنی رفت و آمدنی آمد و کذلک از اجناس خوردنی هر چه برآوردن آں در حوصلهٔ امکان گنجید و اکثرش برنج و باجره بود که اهل کشتی بتجارت بار کرده بودند بعد فرو نشستن غوغا چاره سگالی را بزم آراست و از پئے رائی زدن نشست گفتگوی بمیان آمد این بود آب و دانه درینجا وجودی ندارد و آب موجود هشت بر مهل و مردم زیاده بر دو صد کس و پیداست که اینقدر آب سرمایهٔ چند روزه تواند شد و تا چیز بجائے نرسد رسیدن سفینه معلوم و راه خبر بسته اند کلنم تا گره از کار کشاید همه بیک حرف زبان کشودند که کار از دست رفته است و آب از سر گذشته تدبیری ندانیم و چارهٔ نمی توانیم جز اینکه دراں کوچک سفینه تنے چند از سر جان برخیزیم و نشینیم تا چه پیش آید و از پس پردهٔ غیب چه رو نماید هر چند اندیشه برنتابد که چنیں کشتی از چناں دریا بسلامت بگذرد اما اندیشه یعنی چه آنجا خوف اگر از آب بحر است اینجا از آتش عطش ترشیده عذاب تشنه میری از آب

چوں تواند ترسید لاچارم بحکم الغریق یتشبّثُ بکلِ حشیشٍ دراں زبون زورق
کہ حشیشے بیش نبودند دہ تن راکہ بعضے ازاں خود و سرخیل آں مولانا فضل علی
بودند باچندے از کشتی باناں ویکے مولوی برہان الدین کہ بانگارندہ
ایں فرخ نامہ مواسات تمام دارند در بمبئی ایشاں را شناسا آید از
اہل پنجاب اند فطرتی سلیم و فکرتی مستقیم ایشاں راست و درج سابق
گزاردہ حالیا بعزم سکونت دراشرب البلاد قبلہ کل حاضر و یاد میرفتند بعد
انقضاے چہار روز بریں واہبہ بتاریخ چہارم شوال توکلاً علی اللہ نشایندہ
وسرِ دادہ رحمت الٰہی را منتظر نشستیم ہر سحر کہ می خیزیم رو بدریا می خیزیم و
ہر شام کہ می خوابیم بر فسانہ سفینہ می خوابیم دوازدہ روز از رفتن کشتی و شانزدہ
روز از شکستن جہاز سیری گشت تا شام گاہے دو کشتی خرد نمود ار شد
و شب سیاہ را امداد پدید آمد مہر پس از شادی آں زماں کہ فلک در
دریا از ہلال روز عید بر فلک دلاویز تر می نمود دانستیم رفتگان آمدند
چوں ملاحاں فرود شدند دیدیم یکے از آناں نیست در شگفت زار افتادیم
ہنگام پرس و جو بدینگونہ داستان سرائی کردند کہ بعد ہفت روز فرستادگاں
شما بہ قنفذہ کہ کوچک معمورہ است بر ساحل دریا رسیدند و پیش گاہ حاکم

کہ عرب دولہ خواند ماجرا گزار آمد و بیاری او با ہفت سنبوق رہ پیما شدند
چند شبانہ روز میانہ دریا بہم تفحص جزیرہ پرداختم چو از جزیرہ سراغی نمود ملاحان
آں پنج کشتی را بسمت قنفذہ برگردانیدند چندانکہ مولانا افضل علی و دیگراں
منع کردند سودے نداشت و دلیری نمودہ بسمت بحر عجم گرم تلاش شدیم
شکر للہ کہ سعی ما مشکور آمد و گوہر مراد بکف افتاد و القصہ در دو زورق خورد در
کو باایں حجم غفیر صورتی نداشت لاجرم یکے را بعد سہ روز و یکے را بعد شش روز
ہر قدر مردم کہ گنجیدند نشانیدہ سر دادہ شد و خود تکیہ بر لطف کارساز نمودہ
ہمدراں شورش کدہ توقف پزیر آمد لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔
از انجا کہ خداوندگار را پایندگان خود رحمتی برتر از وصف است بروز بست و پنجم
از شکستن کشتی دو کشتی دیگر مشاہدہ شدند ظن بدانما یہ رنگ و بوے داشت
کہ نفحات یقیں بدماغ میرسید کہ مدہوشان ما را جنبش نسیم توفیق بخود آورد
و کم کردہ راہان ما را خضر تحقیق از آوارہ خرامی استانید چوں بکنار میرسیدند
باز ہماں نواہاے ناآشناست و ہماں شمائل ہاے بیگانہ تا ہنگامہ گفت
و شنود آغاز و زباں سرگرم پرسش راز گشت وا نمودند کہ آں پنج کشتی کہ
رہ بجاے نبرد و راہ قنفذہ گرفت رسیدں ہماں بود و باز گردیدن ہماں کہ

امیر را ازیں معنی غضب در گرفت و قہرش فرو نہ نشست تا از جاے بر نخاستیم و یک کشتی دیگر افزود و چند روز بہم حیستیم عاقبت از تلاطم امواج و جوشش باو جدا شدیم کہ بالحسب بخت و اتفاق بساحل مقصود گزر کردیم شعر او از گیست رہبر در وادی محبت طوفان بود معلم دریاے بیکراں را۔ از کار دیگراں ہیچ کہ ہنوز نہ آب بکیل می پیمایند و باد درہاوں میسا ئیدیا عزم خانہ کردند و رخ بسوے وطن آوردند بعد رسیدند سفائن عزم جزم شد کہ ایں بار بہر طور جملہ مردمان را بگنجانیم غایت الامر از سامان و اسباب ہرچہ نگنجد بگزاریم ایں خیال مصمم شد و عزم روانگی درپیش آمد مقارن آں حال طوفان باد و جوش باراں و اضطراب امواج پدید آمد سفائن صغیرہ ساچہ یارا کہ دریں ناہنگام پا از حد خویش فرا نہ نہند مصرع چراغ مرا باد و باراں لب ہست آدہ روز سبب توقف ایں شد چوں ہنگامہ ابر و باد فرو نشست بعزم سفر برخاستیم و بتاریخ پنجم شہر ذیقعدہ وقت عصر آنجزابہ را چیز باد گفتہ در کشتی نشستیم و رخ بسمت لیث کردیم شمارہ ایام اقامت آں جزیرہ یک ماہ و پنج روز است چوں دریاے عجم موجی نہ باندازہ دارد غالب بیم ہلاک بود و بحریان خطرناک اما آنجا کہ صیانت ایزدی باشد ہیچ آب و آتش گزند نتواند رسانید سالماً و غانماً بتاریخ

ہشتم نصف النہار بساحل لیث رسیدیم الحمد للہ علی ذٰلک حمدا کثیرا
ان للہ ہر شہوراً وجوراً وکان امر اللہ قدرا مقدورا حالیا پیش از آنکہ سخن
از باب دگر گویم ماجرائے آب بر زبان آریم کہ با آں مایہ کمی تا ایں زمانہ دراز
با ہمہ مردم کہ اندازہ کثرت شان پیشتر گرفتہ چوں وفا کرد تا بدائع قدرت کاملہ
آفرید گار دریابی بشنو کہ جامی شام وجامی پگاہ چوں ساغر مہر وکاسہ ماہ بخش
ہر یکے بود وباایں احتیاط چشم آں ہنود تا پانزدہ بست روز روئے آب بینیم
وہنگامہ ہنگام قسمت دیدنی داشت ہر چند کہ کس ہینا د اما بمثالے روشن
نادیدہ بدیدہ مردم جلوہ دہیم وہجوم تشنگاں گرد صاحب تقسیم بمثابہ ابنوہ
بادہ خواران چپ وراست میفروش باہماں جوش وہماں خروش عطش
زدہ پیش بسوئے آب چوں مستی بپائے خم شراب بیخود افتادہ تشنہ را باکاسہ
آب آں معاملتی کہ می نوشی را با جام بادہ یکے نوائے العطش العطش بگنبد مینائی
رسانیدہ یکے زمزمہ پیمانہ گراں تر دہ بآں سیر آہنگی سرودہ کہ زہرہ از غصّہ
بزم نشاط برچیدہ اسے حسرتی زیر وبم پیش کش سخن سادہ گوئی داستان
ماتم را باد ھنا وری مسرائے شعر وردانگیز را بصوت حزیں دردانگیز تر مکن
حدیث پر شور بملاحت بیان نمکین تر مساز افیون در شراب میامیز پرکالہ

دل باسرشک مریزه از نظیر و مثال بگذر ساده بر سر داستان طرازی شو بگو تا دگر
چه می گویی چون در دو جام که قسمت میشد رفع عطش از لجانان نچشن را سرمایه کو
ناکام بخت طعام از آب شور بود تراوش ابر رحمت بین که سحابی آمد و بارانی
بارید مغاکها کندیدند و آوندها نهادند قدرے آب فراهم آمد و دو سه روز رااسامان
شراب و طعام بر وجه بایست مهیا گشت - ازین پس بخاطر حقیر گذرانیدند اگر
آب دریا چون عرق بکشیدن آید شاید که بکشیدن آرند و نوشیدن را شاید امتحان درست
اندیشه و انمودسلمنا طعم عرق داشت اما در اجائگاه نوشین تر از آب حیات
وشیرین تر از شراب قند و نبات بود طول کوتاه درین هنگام که پیدا صورت
سختی داشت پنهان چه موهبت هائے جلیل وعطیه هائے جمیل که ارزانی نداشتند
اگر همه بگذارم از تهمت ریا وسمعه می ترسم واگر همه را گزارم از نعمت کفران
نعمت می هراسم نعمت ها از خداوند دیده ام واما بنعمت ربک فحدث شنیده
خاموش چه توانم بود میگویم هر چه باداباد تاسّی با یمن صحابه کیش منست چنگ
در دامن عبدالله بن عمر میزنم و باقتداے ایشان زمزمه می سنجم خدا از آفت
ریا نگاه دارا و موهبت بخشتیں آ نبود که دلی عطا کردند صبور و زبانی سپاس
گزار دل وقف تحدت ها و لب سرگرم ثنا از بدایت تا نهایت ناشکیبی گرد را

پردۂ ضمیر نگشت وار آغاز تا فرجام بیقراری در پس کوچہ مجہول ماند اگر باور داری کہ دروغ گفتن روا نیست سخن مرا باور کن و لاف شناس و گزاف مداں و شگرف نگیر و ایں نہ حد چوں منی بود ہر آئینہ لطفے بود از لطائف جل شانہ و عم نوالہ چوں لطف او کار فرما شود ذرّہ خورشیدی کند و قطرہ دریا ے دگر در وادی بے آب و دانہ آب و دانہ چہ گونہ عطا فرمودند باز از چناں دشوار جاے چہ آسان بر آوردند دیگر یکے ہم ازیں ہمہ آسیبی ندید و گرندی نیافت کارِ افتادہ شناسد کہ در صورت چنیں وقایع ایں معنی بس نادر است وارد وکالا ہم از بسیار اند کے و از صد یکے رفت شمارہ آلاے ایزدی از نیروی تنومندان بالاتر است تا از ناتوانی چہ آید خوشتر آں است کہ سوال فراوانی نعم بیشمار تا روز شمار و خواستگاری مواہب بحساب تا روز حساب نمودہ صرف نفس بداستان طرازی کند مستور مباد کہ بتاریخ نہم در لیث آمدیم قریۂ مختصر یست ۔

حج و زیارت بیت اللہ وہاں سے براہ خشکی روانہ ہو کر منزل مقصود یعنی مکہ معظمہ پہنچے اور زیارت بیت اللہ کی مسرت نے تمام مصائب سفر کو بھلا دیا ۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ نے

چار روز کے فصل سے یکے بعد دیگرے مکہ معظمہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اُسی خاک پاک میں جنت البقیع کے مقدس قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زیارت مدینہ منورہ مکہ معظمہ میں دو ماہ پانچ روز قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوئے۔ جس ذوق وشوق اور جس سچّے خلوص کے ساتھ آقائے دو عالم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تھے اُس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ[۵] سے ہوتا ہے۔

جب آپ کا قافلہ قریب شہر کے پہنچا شیخ الحرم تشریف لائے اور پوچھا کہ محمد مصطفٰے خاں نامی کوئی شخص اس قافلہ میں ہے۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ میرے مہمان ہیں" نواب صاحب نے جواب دیا "مجھے اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ابھی یہاں بالکل نووارد ہوں سردست مجھکو

---

[۵] یہ واقعہ نواب صاحب نے اپنے سفرنامے میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے ان اشخاص کو جنھیں اس واقعہ کا علم تھا ممانعت کر دی تھی کہ وہ کسی سے اس امر کا ذکر نہ کریں۔ حضرت مولوی محمد احمد جان صاحب خلیفہ شاہ عبدالغنی صاحب برادر اکبر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سی۔ ایم۔ جی۔ مرحوم جو نواب صاحب مرحوم کے دوست اور پیر بھائی تھے اس واقعہ سے واقف تھے۔ لیکن انھوں نے بھی نواب صاحب سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ انکی زندگی میں اس واقعہ کا اعادہ نہ کریں گے مگر نواب صاحب کی سوم کی مجلس کے بعد اسکا تذکرہ کیا تھا۔

اس عزت سے معاف فرمایا جائے"۔ اس پر شیخ نے صاف طور پر اپنے تشریف لانے کی وجہ بتائی اور فرمایا کہ "نہ میری مجال کہ معافی دوں نہ آپ کی طاقت کہ آپ معافی مانگ سکیں۔ اس لیے کہ" مجھکو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا ہے کہ میں جا کر حضور کی طرف سے شرط مہمانی بجا لاؤں" یہ سنتے ہی آپ پر ایک حالت وجد طاری ہو گئی"

سفر طائف۔ مدینہ منورہ میں ۳۹ روز مقیم رہنے کے بعد مکہ معظمہ کو واپس ہوئے اور مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے۔ یہاں کے قابل دید مقامات دیکھے اور جو یادگاریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی موجود تھیں اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

استغنا۔ قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں مسجد حرام میں ایک کردستانی[1] بزرگ نے یہ معلوم کر کے کہ نواب صاحب کی کشتی ٹوٹ گئی تھی سرمایہ تلف ہو گیا ہوگا

---

[1] روزی از روزہا بعد نماز در مسجد الحرام نشستہ بودم عزیزی از کردستان پہلوے من بود گفت پارسی دانی گفتم آرے گفت تو نہ آنی کہ کشتی تو شکست گفتم آری گفت این نہ بیت اللہ است گفتم آری گفت نہ این جائے خلاف نیست گفتم آری گفت ما شنیدیم کہ عزیز را کشتی شکست مرا از غصہ جگر خون است دانم ساز و سامان رفتہ باشد وبرگ ونوا تلف گشتہ خاکی پیش من است بگیر و ساز برگی بسازاین بگفت و کاغذی پیچیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵ پر دیکھو)

آپ سے درخواست کی کہ میرے پاس ایک خاک ہے وہ لے لو اور اپنا
سامان درست کر لو چنانچہ ایک پڑیا کمر سے نکال کر سامنے رکھ دی اُس کا
یہ کہنا تھا کہ نواب صاحب کو سخت رنج ہوا اور دل میں کہا خدایا میں تو
بخشایش کا طالب ہوں نہ زر کا۔ اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور کہا
مجھکو معذور رکھو اس نے پھر اصرار کیا اور آپ نے انکار کیا تو وہ بولا کیا مجھکو
شعبدہ باز یا مکّار سمجھتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں گمان بد کرنے والا
آدمی نہیں۔ اُس نے پھر اصرار کیا کہ یہ نہ سونا ہی نہ چاندی محض خاک ہے
اس کے لینے سے کیوں عار ہی۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس خاک پر تو
خاک ڈالو۔ ہاں کوئی ایسی چیز دو جو مس وجود کو سونا بنا دے۔ کُردی نے
کہا کہ ایسی چیز کی خواہش تو تم سے زیادہ خود مجھکو ہی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴) از میان بر آورد و پیش من نہاد این سخن از روے گفتن و مرا دل از مویہ درہم شد
گفتم خدایا خواہان آمرشش آمدہ ام نہ جویان زر روی از و در پیچیدم و گفتم عذرم می پذیر سرمایہ من با من است
منت خداے را کہ جز بخشایش نیاز مندم نکردہ باز روزی دو چار شد و ہمان گفت کہ گفتہ بود و ہمان
گفتم کہ شنیدہ چون در من میلی ندید بدین گونہ بسخن در آمد کہ بہ آئینہ شعبدہ باز و نیرنگ سازم میدانی گفتم
از بد گمان نیم گفت پس می توان گرفت گفتم نمی توان گرفت گفت نہ این سیم است و نہ زر کف خاکی است
ننگ از چیست گفتم خاک بر سر این خاک ریز دان بیار کہ مس وجود را از زرناب کند گفت بآن مسئول
از سائل نیاز مند تر است ۱۲۔

مراجعت وطن

طائف سے پھر حرم محترم میں پہنچے - ۱۵ روز مکہ معظمہ میں آخری قیام کر کے وطن کو مراجعت فرمائی اور پورے دو سال اور چھ دن کے بعد ۲۳-ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ ہجری کو دہلی میں وارد ہوئے - علاوہ اُن گوناگوں فیوض اور برکات کے جو اس مبارک سفر سے حاصل ہوئیں ایک سن رسیدہ بزرگ کی اشارت ہی جن سے بڑودہ میں بوقت مراجعت وطن قدمبوسی کا اتفاق ہوا تھا اُنھوں نے اس مبارک سفر کا ایک نکتہ بتایا - جس کو آپ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہی اُس کا اس موقعہ پر نقل کرنا خالی از دلچسپی نہو گا - کیا خوب فرمایا ہے -

"جو فاسد مادّہ خودی اور اسباب ظاہری میں گرفتار رہنے کا انسان کے اندر موجود ہے اُس کے دور کرنے کے لیے سمندر کا سفر نہایت مفید ہی" بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ موجیں ٹکرائیں آسمان میں ابر غلیظ گھرا ہو اُس مصیبت کے وقت میں کہ کوئی تدبیر کارگر نہو سکے اور تمام ظاہری اسباب مفقود ہوں - پردہ درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور کثرت کے غالب ہونے کا خیال نکل جاتا ہے اور خداوند واحد کا غلبہ معلوم ہوتا ہے - خودی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے - لمن الملک الیوم" للہ الواحد القہار کا مطلب ظاہر ہو جاتا ہے" ان با خدا بزرگ کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب پر جو خاص قسم کی

مصیبت اس سفر میں گزری تھی اور جس کا مجمل ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے وہ
در اصل ایک مبارک ابتلا تھا۔ جسمیں خدا کو مشاہدہ وحدت کرانا اپنے خاص
اور برگزیدہ بندوں کو منظور تھا۔

ایّام غدر کی مصیبت

غدر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے عمائد و شرفا پر جو مصیبت
گزری ہی خدا دشمن کو نہ دکھائے۔ نواب صاحب بھی اُس سے مستثنیٰ نہ رہے
اُن کا دارالریاست جہانگیر آباد خطرناک حالت میں تھا۔ نواب صاحب اُس
کو چھوڑ کر بمقام خان پور جو جہانگیر آباد سے چند میل کے فاصلہ پر ہے اپنے عزیز
دوست عبداللطیف خاں صاحب رئیس خان پور کے ہاں اقامت گزین
ہو گئے تھے ٹھاکروں نے قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ کر لیا اور نواب صاحب
کے عالیشان اور خوشنما محلوں کو آگ لگا دی۔ تمام قیمتی اور پُر تکلف اثاث البیت
جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُن کا گراں بہا کتب خانہ اور اُن کی
اپنی تصانیف جس میں اُردو و فارسی کا کلام بھی شامل تھا آگ کی شعلوں کی نذر
ہو گیا۔ جس وقت بھیم سنگھ اور اُس کے ساتھی ٹھاکروں نے جہانگیر آباد میں
یہ ہنگامہ فساد برپا کر رکھا تھا۔ حُسن اتفاق سے ریاست رامپور کی فوج دہلی
جانے کے لیے جہانگیر آباد سے گزری۔ اس فوج کا افسر نواب[۱] یوسف علی خاں

[۱] نواب فردوس مکان یوسف علی خاں صاحب بہادر اور نواب شیفتہ مرحوم سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ ہو)

فردوس مکان والیے رام پور اور نواب مصطفےٰ خاں صاحب کے دوستانہ تعلقات سے واقف تھا اس لیے اُس نے ٹھاکروں کے مقابلہ میں نواب صاحب ممدوح کے تابعین کی مدد کی اور اُن کو از سرِ نو قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ دلادیا۔

الزام بغاوت سے برائت

نواب صاحب پر بغاوت کا الزام بھی لگایا گیا اور کچھ عرصہ تک یوسف زنداں بنائے گئے مگر آخر کار اس سے گلو خلاصی ہوئی اور نواب صاحب بفضلِ خداوندی مامون و مصئون رہے اور مدارج و مناصب بھی برقرار رہے۔

صبر و استقلال

خواجہ حالی مرحوم فرماتے تھے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب مصیبت حبس میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷)

اُس زمانہ سے مخلصانہ تعلقات تھے جبکہ نواب فردوس مکان مسند حکومت پر متمکن ہونے سے قبل دہلی میں قیام فرماتے تھے اُس زمانہ میں نواب عبد الرحمن خاں صاحب برادر خورد نواب جنت آرام گاہ محمد سعید خاں صاحب بہادر دہلی کے قریب گوڑگانوہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے نواب شیفتہ مرحوم کی چھوٹی ہمشیرہ صاحبزادہ اصغر علی خاں صاحب برادر زادہ نواب جنت آرام گاہ سے منسوب ہوئی تھیں اُس وقت سے نواب شیفتہ مرحوم اور ریاست رام پور میں باہم خاندانی مراسم قائم ہوگئے جو اب تک قائم ہیں جب نواب جنت آرام گاہ محمد سعید خاں بہادر ریاست رام پور کی مسند پر متمکن ہوئے اور نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب ادائے تہنیت کے لیے رام پور آئے تو یہ قرار پایا کہ نواب محمد مصطفےٰ خاں نذر پیش کریں اور نواب رام پور معانقہ کریں اور خلعت دیں جس میں ایک ہاتھی بھی مقرر تھا۔

بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم ٹرمیل صاحب کے پاس جو پہلے کلکٹر
بلند شہر اور میرٹھ میں جج ہو کر آگئے تھے یہ پیام بھجوایا کہ آپ کسی وقت آکر مجھ سے
ملیں۔ صاحب نے جواب دیا کہ میں علی الصباح آسکتا ہوں چنانچہ حسب وعدہ
آئے لیکن نواب صاحب اُس وقت دوگانہ سنت ادا کرکے فریضہ کے تہیہ
میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی۔ نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ
نیت فریضہ باندھی اور حسب عادت سورۂ دہر پڑھی۔ اختصار گوارا نہ فرمایا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ ٹرمیل صاحب بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہری توی
تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے اُن کے
استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا حاجی باسط علی صاحب ساکن کرسی جو ایک دیندار و ثقہ آدمی
تھے فرماتے تھے کہ مصائب ایام غدر میں ایک دن نواب صاحب مرحوم
پیادہ پا محافظین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثنا میں آسمان کی طرف
دیکھا اور فرمایا "تیری شان کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس
سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔

ایک زمانہ میں شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب بلند شہر کے ڈپٹی انسپکٹر تھے

اُن کی زبانی نقل ہے کہ دہلی میں نواب صاحب کو مرض سرطان عارض ہوا
ڈاکٹر اپریشن کیا کرتا تھا اور ناقص حصہ گوشت کا آلات سرجری سے کاٹ
کاٹ کر برابر صاف کیا کرتا تھا جس سے تیمارداروں کو تاب ضبط نہ رہتی
تھی۔ چنانچہ ایک روز صاحب زادہ محمد علی خاں بے اختیار رونے لگے۔
لیکن نواب صاحب کی پیشانی پر کبھی بل بھی نہ آتا تھا۔ صاحبزادہ صاحب کو
بلایا اور فرمایا کہ "اس جسم خاکی کے زوال پر رونا نہایت کم ہمتی ہے۔ انسان کو
اپنی مصیبت پر رونا نہ چاہیے۔"
مولوی ذکا اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ایسا ضبط و استقلال میں نے
آج تک کسی شخص میں نہیں دیکھا۔

علمی چرچے اور صحبتیں

غدر سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ تر دہلی میں رہتا
تھا۔ نواب[۵۲] ضیاء الدین خاں نیر۔ مفتی[۵۳] صدر الدین خاں آزردہ۔ حکیم

---

۵۲ نواب صاحب ضیاء الدین خاں لوہارو کے رئیس تھے اور دہلی میں قیام پذیر تھے آپ تاریخ و ادب میں
مہارت کامل رکھتے تھے۔ مفتی صاحب[۵۳] نواب صاحب کے انتقال کے بعد عرصہ تک زندہ رہے جب کبھی نواب
محمد علیخاں یا نواب محمد اسحاق خاں صاحب فرزندان نواب صاحب مرحوم سے ملاقات ہوجاتی تو نواب صاحب
کی یاد تازہ ہوجاتی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے نواب صاحب نے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ ہو)

احسن اللہ خاں - مولوی امام بخش صہبائی - مرزا اسداللہ خاں غالب - سید غلام علی خاں وحشت [۱] - میر حسین تسکین - حکیم مومن خاں مومن جیسے سخنوران باکمال کا اُس شہر لطافت بھر میں جمگھٹا تھا جب یہ لوگ مل کر بیٹھتے شعر و سخن ہی کا شغل اور چرچا رہتا۔ سنہ ۱۸۴۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا اُس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰) گلشن بیخار میں آپ کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے "فی الجملہ مولانا از دودۂ بزرگ است بزرگانش از اہل علم و اعتبار بودہ اند و مولد و منشاء دہلی ہیں بقعہ مبارک است اعلیٰ ترین مناصب فصل خصومات کہ باصطلاح اہل فرنگ صدر الصدور ش میخوانند و امروز در سلطنت ایشان برائے ارباب ہند شایستہ ترازیں خدمتی نیست با ایشان است و مولانا آں را ذریعہ کسب معیشت دنیوی و وسیلہ نیل مثوبات اخروی گردانیدہ کہ ہمہ ہمتش صرف رواج کار انام است و برکت نصفتش شامل خاص و عام باد اسمے اتحاد موفور دالتیام نامحصور دار در وزی نیست کہ شہد صحبت ایشان چشیدہ نشود و باین قند مکرر کام جان حلاوت اندوز نگردد و باعتقاد من روزیکہ بے شرف مجالست ایشان بپایان آید داخل ایام عمر نیست"

[۱] سید صاحب بلند شہر کے مشاہیر میں گزرے ہیں۔ نواب صاحب سے اُن کی گہری دوستی تھی یہاں تک کہ ان کی دوستی عشق کے درجہ پر پہنچ گئی تھی نواب صاحب کے سب ملنے والے ان دونوں کو ایک جان دو قالب سمجھتے تھے یہ ہی وجہ ہے کہ مرزا غالب نے ان دونوں کا ایک ساتھ اپنے ایک شعر میں ذکر کیا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ ہو)

نواب صاحب نے مرزا کا مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اسی طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھکر دیدی جس کا شمار سخنوران مشاہیر میں نہ تھا۔ مفتی صاحب کے بعد جس وقت اُس نے اس غزل کو پڑھا مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔ اس غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

ہم بزمِ دشمن کا چھپا ہی تھا قاصد + کہتا ہی کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی

کہتے ہو علاج آپ کریں کچھ خفقاں کا + دل کاہے کو رہو یگا سنائی اگر ایسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱) وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید + مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ مرزا نے جب جہانگیر آباد میں نواب صاحب کے پاس وحشت مرحوم کا آنا سُنا تو نواب صاحب کو خواجہ حافظ کا یہ مشہور شعر اس طرح بدل کر لکھ بھیجا ؎ چہ با حبیب نشینی و چاء پیمائی + بیاد آر حریفان بادہ پیما را۔ مرزا نے یہ تصرف بے وجہ نہ کیا تھا۔ چونکہ نواب صاحب محتاط تھے اس لیے اُن کی نسبت بادہ کی بجائے چاء کا لفظ لکھنا پڑا (یادگار غالب)

خود نواب شیفتہ نے اپنی گلشن بیخار میں آپ کا تذکرہ اس طرح لکھا ہے:-

"وحشت تخلص غلام علیخاں خلف الصدق میر فرحت اللہ خاں داماد مولانا محمد رشید الدین خاں غفر اللہ لہما از دودمان کریم است واز اکابر زادگانِ فخیم مولدش مراد آباد و در بنارس و شاہجہان آباد نشو و نما یافتہ بالفعل بمناصب ممتاز انگریزی در بلند شہر بہرے بردماہ میزادج سخن سنجی و سخندانی است و مہر انور فلک مضامین و معانی گلہائے فکرش دستہ بزم گلرخاں را شاید و جواہر نظمش آویزہ گوش یاقوت لباں را باید نہ ہے حدیث کلامش کہ از زبان حسود بجو است بجائے طعنہ نعرہ احسنت خیزد و ہے ذوق گفتارش کہ در زہر خند شراب از دہان اعدا ریزد"

نواب صاحب کی رسم و اتحاد مفتی صاحب سے نہایت مستحکم تھی۔ تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں مفتی صاحب کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایسا کوئی دن نہیں ہوتا کہ مفتی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی ہو۔ اور میرے اعتقاد میں جس روز ان کی مجالست کا شرف حاصل نہ ہو داخل ایام عمر نہیں ہے"
ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دونوں بزرگوں کے دولت خانوں میں زیادہ فصل نہ تھا اس لیے اکثر باہم آمد و شد رہتی تھی۔ جب سفر حج سے واپس ہوکر نواب صاحب وارد بمبئی ہوئے تو مفتی صاحب کے خط کے جواب میں ایک قطعہ فارسی بیس شعر کا نواب صاحب نے لکھا تھا جس میں سے چند اشعار بطور یادگار ہم بھی لکھتے ہیں۔

بہر طواف کوے تو اے مہر اوج فضل + رو جانب زمین ز سما کردہ ایم ما
در کعبہ داستان مدیح تو خواندہ ایم + وندر مدینہ بر تو ثنا کردہ ایم ما
ہر جائے کان محل اجابت شمردہ اند + حق وفا و مہر ادا کردہ ایم ما

اس قطعہ کو نواب[۱] صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنے تذکرہ موسومہ شمع انجمن میں درج

[۱] نواب شیفتہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے خاص مراسم تھے جس کا ذکر خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنے تذکرہ شمع انجمن میں نواب صاحب مرحوم کے تذکرہ میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں "محرر سطور در زمانہ قیام شاہجہان آباد کہ قریب دو سال خواہد بود بتقریب طلب علم در دولت کدہ ایشاں پاے اقامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہو)

کیا ہے۔

دائرہ احباب

نواب صاحب کی ذات گوناگوں صفات کی جامع تھی۔ اہل امارت میں امیر تھے تو ارباب فقر میں فقیر، طبقۂ علما میں عالم تھے تو زمرۂ شعرا میں شاعر اور اہل ادب میں ادیب۔ اس لیے آپ کا دائرہ احباب بھی بہت وسیع تھا۔ بعض اصحاب ہم فنی کے لحاظ سے آپ کی ملاقات و دوستی کو موجب فخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) افتد و تا بقید حیات بود بخط و کتابت یاد و شاد میفرمود تر غیب السالک الی احسن المسالک و تذکرۂ گلشن بیخار و دیوان شعر فارسی و رسالہ برہ آورد از تالیفات ایشاں باقی ست فسلک مذکور در شہر ۱۸۵۷ء از دہلی ہدیۃ نزد کاتب حروف فرستادہ روز رستخیز ۱۸۵۷ء برتاملہ برگشتگی افواج ہند ہر گاہ بتہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را از ال عقوبہ کوہ نجات بخشید خطی بمجرد سطور بتحریر کرد کہ عبارتش بلفظہ این ست خط سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بند بلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود برطبق آں صاحب ممدوح آنچناں مساعی جمیلہ در نوشتن ہا سے نبیلہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید از ی مقتضائے محبت ہائے سامی ہمیں بود این احسان فراموش شدنی نیست اکنون نجات صوری رو داد لیکن نجات معنوی باقی ست یعنی جائداد و غیرہ وجوہ معاش ہنوز مطلق واگذاشت نشدہ این مقدمہ ہم با جلاس صدر الصدور موصوف رسیدہ پس ندرت آشنا کہ آنجناب اطلاع کنم تا بنام شان خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمایند تحریر ہمیں کہ تفہیمش امر شکر گزار سامی خواہم سخن فضول ست کہ میان ما و شما گنجایش ہیچ امور نیست کہ یاد از بیگانگی با میمیم و نما ہر ہستند کہ بار این منت بس عظیم خواہد بود مورخہ یکم شعبان ۱۲۷۶ ہجری انتہی چوں این خط آمد خطی دیگر بنام مومن علیخاں صدر الصدور ساکن سندیلہ نوشتہ شد و نیمہ و معاش بعد کشش و کوشش بسیار واگذاشت شد والحمد لمحرر توفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ"

سمجھتے تھے۔ بعض حضرات جو علم و فضل کے جوہر شناس تھے آپ سے رسم مودت
پیدا کرتے تھے۔ اربابِ طریقت بقربِ ہم مشربی آپ سے ملتے تھے۔ بعض
کے مراسم امارت و ثروت کے تعلقات سے وابستہ تھے۔ ان میں سے
بعض احباب کا ذکر جمیل بموقعہ اُن حالات کے ضمن میں آیا ہے۔ اُن کے
علاوہ خاندان کمبوہاں سے بزرگان میرٹھ میں آپ کے احباب نواب
احمد اللہ خاں و منشی ممتاز علی خاں (اس نام کے دو بزرگ تھے) اور حافظ
عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی اور شیخ محمد صاحب تھانوی[۱] تھے۔
غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے نواب صاحب کے رہنے کا اتفاق زیادہ تر جہانگیر آباد
میں ہوتا تھا جہاں نہ دہلی کے سے علمی چرچے تھے نہ اہلِ کمال کا وہ جمگھٹا۔ اس
لیے شعر و شاعری کا شغل بہت کم ہو گیا تھا اور در اصل جب سے زیارت حرمین
شریفین سے واپس آئے آپ کسی دوسرے ہی حال میں تھے چنانچہ فرماتے
ہیں ؎

---

[۱] یہ مولوی شیخ محمد صاحب بڑے عالم زاہد اور صوفی مشرب بزرگ تھے تھانہ بھون ضلع
مظفر نگر میں اُن کا مسکن تھا۔

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے + شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

بلکہ تذکرہ گلشن بیخار کے دیکھنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے سفر حجاز سے پہلے ہی اس شغل کو کم کر دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "چوں ربط با ایں فن از دیگر اشغال عالیہ و فنون شریفہ باز می دارد اکنوں دیرگاہ ست کہ سروکارم نیست مگر بتحریک محفلیان گاہے از واردات جدیدہ اتفاق می افتد آں ہم بعد سالے نہ کہ ماہے" مولانا حالی نے ضمیمہ کلیات نظم حالی میں جو دیباچہ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب اپنی زندگی کے آخر چند سال میں بھی کبھی کبھی فارسی میں فکر سخن کرتے تھے غالباً اس کا سبب مولانا حالی کی وہاں موجودگی ہوگی۔ مولانا مرحوم بوجہ تعلق ملازمت ۱۸۶۳ء سے نواب صاحب کے اخیر وقت تک وہاں رہے تھے۔ مولانا حالی سے یہ بھی نقل ہے کہ نواب صاحب اواخر ایّام میں خواجہ حافظ کی روش پر فکر سخن کرتے تھے۔

اولاد نواب محمد علی خاں جو ریاست رامپور میں ریونیو ممبر رہے ہیں اور لارڈ لینسڈون کے زمانہ میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی تھے فرزند اکبر تھے ۱۸۹۹ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

نواب نقشبند خاں دوسرے فرزند تھے ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا۔ تیسرے

صاحبزادے نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ہیں جو علم دوستی اور مکارم

اخلاق اور دین و دیانت و سخاوکرم میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں۔

صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ چار سال تک مدارالمہام

ریاست رام پور بھی رہے۔ اور اب پنشن یاب ہوکر ایم اے او کالج علی گڑھ میں

آنریری سکرٹری کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں خدائے تعالےٰ اُن

کی ذات ستودہ صفات سے تا دیر قوم کو مستفید ہونے کا موقعہ عطا فرمائے

ان کے علاوہ دو صاحبزادیاں تھیں جن کا انتقال ہوگیا ان کا عقد بھوپال میں

نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے برادر خورد کے فرزندوں سے ہوا تھا۔

تصانیف و شاعری اولاد کے ذکر کے بعد اب ہم آپ کی اولاد معنوی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کی شاعری کی ابتدا اس شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ہوگئی تھی اُردو

میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔

دیوان ریختہ اکیس سال کی عمر میں مرتب فرما چکے تھے جو غدر ۱۸۵۷ء سے غالباً

دو تین سال پہلے مطبع آئینہ سکندری میرٹھ میں چھاپا گیا تھا۔ ایک غزل کا مقطع

بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے ؎

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیر طریقت * گو عمر ہی میری ابھی اکیس برس کی

فارسی اور اُردو دونوں میں حکیم مومن خاں صاحب مومن[5] سے تلمذ تھا اور خان موصوف کی وفات کے بعد مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب سے مشورہ کرتے تھے۔

[5] حکیم مومن خاں صاحب بھی نواب صاحب کی قابلیت سخن فہمی وسخن سنجی کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ اکثر اوقات نواب صاحب ہی کی فرمائش سے فکر سخن کرتے تھے۔ اور اپنے کلام ریختہ کی تدوین بھی نواب صاحب ہی کو سپرد کی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب نے تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں حضرت مومن کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے "با ایں ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بفکر سخن نمی پرداخت۔ چنانچہ اکثر کلامش بخواہش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ وہم تدوین افکار ریش را بفقیر باعث گشتہ۔ دیباچہ آنکہ ریختہ خاصہ من ست در آں بتفصیل ایں ماجرا باز کردہ ام"

مومن نے تذکرہ گلشن بیخار پر ایک تقریظ لکھی ہے جس میں نواب صاحب کی مدح ایک رباعی میں اس طرح کرتے ہیں۔ رباعی

آں شیفتہ کز خرد گرامی باشد + سرخیل سخنوران نامی باشد
اکنوں کہ حسد نماند الا بعدم + محمود ثنای و نظامی باشد

اور پھر نواب صاحب کی سخن فہمی کی داد اس طرح دی ہے۔

زتحسین او حسن معنی نیاز + ہزار آفریں برچنیں امتیاز

مومن نے ایک معما باسم نواب مصطفےٰ خاں بہادر لکھا تھا جو دیوان مومن میں موجود ہے۔

نوا بلبل کی بے بس کر رہی ہے + بہار اک جام بے جا بھر رہی ہے
صدا بے درد قمری کی بلا ہے + سر طاقت بھی جس کا نقش پا ہے
فلک کو کل نہیں سب جور و بیداد + سر مُو کیا ہوگیا ہے فصل خوں داد
کہ وہ سرو خراماں یاں نہیں ہے + سر و اپنا تو اب امکان نہیں ہے
بہار سبز پا کے پاؤں ٹوٹیں + کہ درد بے مدد حسرت سے چھوٹیں

نواب صاحب مرحوم اور مرزا سے جس زمانہ میں تعارف ہوا وہ زمانہ مرزا کی
شاعری کے شباب کا نہ تھا جیسا کہ مرزا نے اپنے ایک خط میں جبکہ اُن سے اور
نواب صاحب سے نئی نئی ملاقات ہوئی تھی نواب صاحب کی نسبت لکھا
تھا "چوں دکان را کالا و زبان را حرف ہاے جگر آلا نماند۔ روزگار گراں مایہ
خریداری (یعنی نواب مصطفےٰ خاں) پدید آورد کہ نقد رائج سخن خود را بہ بہاے
گفتار ناسرہ من میدہد و گوہر را بہ پلہ ہمجانگی خزف می نہد" رفتہ رفتہ باہم نہایت
خلوص و اتحاد ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ قصیدہ جو مرزا نے نواب صاحب کی شان
میں لکھا ہے شاہد حال ہے اس میں سے چند شعر بطور تخلیص کے نقل کیے جاتے
ہیں:-

آں ہماے تیز پروازم کہ بال ✤ در ہوائے مصطفےٰ خاں میزنم
عرفی و ثنا قاآنیش فرماں پذیر ✤ سکہ در شیراز و شرواں میزنم
او خرام مست و من چاوش وار ✤ بانگ بر اجرام و ارکاں میزنم
گلشن کویش گذرگاہ من است ✤ دوش در رفتن بر رضواں میزنم
خوبی خویش بہ آموز من است ✤ دم ز یاری می زنم ہاں میزنم
مہر ورزی ہیں کہ باچشم ہمنشیں ✤ من کہ زانو پیش درباں میزنم

بشنود نے آنکہ باد آں رابرو + نالہ گر در کنج زنداں میزنم
بنگرد نے آنکہ کلک آنرا کشد + نقش گر بر صفحۂ جاں میزنم

مرزا نے ''سبد چین'' میں بھی ایک موقع پر لکھا ہے ؎

مصطفٰے خاں کہ دریں واقعہ غم خوار من است + گر بمیرم چہ غم از مرگ عزادار من است

کلام فارسی

نواب صاحب کا فارسی کلام حمد، تصوف، حکمت، اخلاق اور محبت کے اعلیٰ جذبات سے بھرا ہوا ہے اکثر مواقع پر غالب، مومن، صہبائی جیسے ماہرین فن نے اُن کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ ہم نے اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے اُردو اور فارسی کلام پر جو مختصر ریویو اور دیگر شعرا کے کلام سے اُس کا موازنہ کیا ہے خود ناظرین کو اُس کے مطالعہ سے حسرتی کے کلام کا پایہ معلوم ہو جائے گا۔

کلام ریختہ

شیفتہ کا اُردو کلام بھی معمولی کلام نہیں ہے۔ گرمی اور لذت کے علاوہ جو اُن کے کلام میں خدا داد ہے اس میں وہ شکوہ الفاظ اور چستی ترکیب بھی پائی جاتی ہے جو کسی وقت سودا اور نصیر کا حصہ تھی اور اُن کے کلام میں بندش الفاظ اور ترکیب کی روش کے لحاظ سے وہی خصوصیات موجود ہیں جن سے اُن کے اُستاد مومن اور غالب کا کلام مالامال ہے۔ جس طرح غالب میر کی اداؤں پر

مرتے تھے۔ شیفتہ بھی میرؔ کی سادگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے
کلام میں میرؔ کی سی روش پیدا کرنے کے آرزومند تھے فرمایا ہی ؎

نرالی سب سے ہی اپنی روش ای شیفتہ لیکن + کبھی دل میں ہوائے شیوۂ میرؔ پھرتی ہے

اُن کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب
ہوگئے تھے۔ چنانچہ اپنے مقطع میں اُنھوں نے اپنی اُس کامیابی پر فخر کیا
ہی۔ ؎

شیفتہ سادہ بیانی نے بہت چمکایا + ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

سادہ اشعار سے جن میں میرؔ کی جھلک صاف نمایاں ہی شیفتہ کا دیوان
بھرا پڑا ہی۔ مثلاً

شاید اسی کا نام محبت ہی شیفتہ + اک آگ سی ہی سینہ کے اندر لگی ہوئی

مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا + قاصد وہ بہت الم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد + ہم قصد سوئے عجم کریں گے

اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ + یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنادیا

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ + ایسی حسرت سے جو ہی گذری ہوئی الفت کی یاد

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی + تھام لینا وہ تیرے محمل کو

آخر میں متاخرین شعرا غالب۔ مومن۔ سالک۔ عارف۔ وغیرہ نے بھی یہ جدّت شروع کی تھی کہ قدما کے سید ھے خیالات اور معمولی اسالیب کو لفظی اور معنوی تصرف کے ساتھ ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتے تھے اس قسم کی جدّت آفرینوں اور لطیف اور پاکیزہ تصرفات میں شیفتہ بھی اپنے اُستاد مومن خاں سے کچھ کم نہ تھے۔ ترکیبوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ تراکیب جو مومن اور غالب کا خاص حصّہ تھیں سوائے شیفتہ کے کسی دوسرے کے یہاں مل ہی نہیں سکتیں مثلاً۔

فصل گل ہی میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے + تو بہ ژولیدہ زیب طاقِ نسیاں چاہیے

بچتے ہیں اسقدر جو ادھر کی ہوا سے ہم + واقف ہیں شیوہ دلِ شورش ادا سے ہم

ای مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو + باندھا ہی سوگ اُس نے عدو کی وفات کا

سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ اُن کے کلام میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اُن کی شاعری میں تہذیب کے پہلو کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا گیا ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ شیفتہ اپنے وقت کے اُستاد تھے اور اُنھوں نے جو کچھ کہا خوب کہا خود ہی فرماتے ہیں ؎

طرزِ سخن کہے وہ مسلّم ہے شیفتہ + دعویٰ زبان سے نہ کیے میں نے یا کیے

اس مختصر سوانح عمری کے ذیل میں شیفتہ کے کلام پر ریویو کی گنجائش نہیں نکل سکتی اس لیے ہم اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے کلام پر ایک نظر ڈالکر تصوف، پند و حکمت، حسن معانی شوخی و ظرافت وغیرہ کی علحدہ علحدہ مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کریں گے جس سے وہ خود شیفتہ کی قادر الکلامی کا اندازہ کر سکیں گے۔

رقعات فارسی دیوان فارسی اور ریختہ کے علاوہ اس کلیات میں ہم نے حضرت شیفتہ کے رقعات فارسی کو بھی شامل کر دیا ہے جس سے فارسی میں اعلیٰ انشا پردازی اور بلاغت کا اظہار ہوتا ہے یہ مکاتیب جا بجا تصوف سے مالا مال ہیں۔

گلشن بیخار اس کلیات کے علاوہ ان کی ایک اور مبسوط تصنیف "تذکرہ گلشن بیخار" ہے۔ جو اُن کے سفر حجاز سے پہلے مکمل ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ یعنی ۱۲۴۸ھ ہجری میں اس کی تصنیف شروع ہو کر ۱۲۵۰ھ میں ختم ہوی اور وہ ۱۲۵۳ھ میں چھپکر شائع ہوا۔ اس تذکرہ میں اُس زمانہ کے شعرا کا اُردو کلام جمع کیا گیا ہے اور کلام سے پہلے ہر شاعر کا مختصر حال اور اُس کے کلام کی نسبت رائے فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اُردو کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا

تھا کہ اہل علم اُس کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اس لیے جملہ تصانیف حتیٰ کہ باہمی خط و کتابت کا کام بھی فارسی ہی سے لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیفتہ نے بھی اُردو تذکرہ میں شعرا کا حال لکھنے کے لیے فارسی زبان کو پسند کیا۔ شیفتہ کے زمانہ میں یا اُس کے قریب اور شعرا نے بھی تذکرے لکھے ہیں لیکن گلشنِ بیخار میں ایک خصوصیت نظر آتی ہے جو اوروں میں نہیں پائی جاتی وہ شعرا کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی ہے چونکہ اس سے پہلے لوگ تذکروں میں سوائے تعریف کے تنقید دیکھنے کے عادی نہ تھے اس لیے بعض شعرا کے مقلدین کو شیفتہ کی یہ طرز نہایت ناگوار گزری۔ نظیر اکبر آبادی کے ایک شاگرد نے یہاں تک کیا کہ تذکرہ گلشنِ بیخار کے جواب میں ایک نیا تذکرہ گلستان بیخزاں کے نام سے تصنیف کر ڈالا اور اُس میں یہ الزام کیا کہ نواب شیفتہ نے جن شعرا کے کلام کی نسبت اچھی رائے دی تھی اُنھوں نے اُن کی بُرائی لکھی اور شیفتہ نے جس کی نکتہ چینی کی تھی اُن کی تعریف کی۔ یعنی دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کی اور اب اس آخر زمانہ میں جبکہ فن تنقید سے ہماری زبان خاصی طرح روشناس ہو چکی ہے پروفیسر آزاد[1] کے دلپر سید انشا کی نسبت شیفتہ کی آزادانہ رائے دیکھکر

---

[1] پروفیسر آزاد کے الفاظ یہ ہیں: — نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا گلشن بیخار جب دیکھتا ہوں (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر دیکھو)

کٹار کا زخم لگا ہی شیفتہ نے اگر سیّد انشا کی نسبت یہ لکھدیا کہ۔

"دیوانے دارد مشتمل بر اصناف سخن و ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرا نگفتہ۔
اما در شوخی طبع و جودت ذہنی او شکے نیست"

تو کیا گناہ کیا۔ مولانا آزاد نے سیّد انشا کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوے دربار لکھنؤ کی حالت دکھا کر یہ ثابت کیا ہی کہ انشا ہزل گوئی پر مجبور تھے۔ گویا اس بات کو تسلیم کر لیا ہی کہ انشا کا کلام مجبوریوں کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا جو پائے اعتبار سے ساقط سمجھا جاتا تھا۔ آخر میں انھوں نے اپنی بات کو میاں بیتاب کا یہ قول لکھکر ختم کیا ہے "سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا"۔ شیفتہ نے بھی تو یہی کہا ہی۔ کہ

"ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرا نگفتہ" اب رہی یہ بات کہ سیّد انشا نے دوسرے اساتذہ کے خلاف روش کیوں اختیار کی اس کے وجوہ لکھنے سے کلام کی نوعیت میں فرق نہیں آسکتا۔ اور اس لیے ایک بے لاگ تذکرہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) تو خار نہیں کٹار کا زخم دل پر لگتا ہی (تذکرہ آب حیات صفحہ ۲۷۲)

نویس کو وجوہ کی تلاش میں سر کھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ بہرحال تذکرہ گلشن بیخار کی بے لوث رائیں کسی خاص گروہ کی آنکھوں میں کھٹکیں لیکن وہ اپنی آزادانہ تنقید کی وجہ سے آج جبکہ اُس کی اشاعت کو اسّی برس گذر چکے ہیں اُسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس نظر سے اسے مرزا غالب[۵۱] جیسے شخص نے دیکھا تھا۔

رہ آورد اگر ہم نواب صاحب کے سفرنامہ حجاز کا ذکر نہ کریں جس کی مدد سے ہمیں آپ کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں تو ناانصافی ہوگی یہ سفرنامہ موسومہ ترغیب السالک الیٰ احسن المسالک یا "رہ آورد" فارسی زبان میں

---

۵۱ نواب صاحب نے اپنے مراسم کے لحاظ سے اس تذکرہ کا مسودہ چھپنے سے پہلے مرزا غالب کے دیکھنے کے لیے بھیجا تھا اس کو دیکھکر مرزا صاحب نے نواب صاحب کو جو خط لکھا تھا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اُسے کس قدر پسند کیا تھا۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں "تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامے را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار" مرزا صاحب نے اس تذکرہ کی تقریظ بھی لکھی تھی جس کا اقتباس یہ ہے "ہمانا نواب ہمایوں آثار والاشان و خان فرہیدہ فرہنگ پسندیدہ گفتار آزادہ و ارگرامی دانش اندوز و سخن گوی گرامی نہاد مبارک نفس دولت مہر پیشہ وفا گوہر نواب مصطفیٰ خاں بہادر کہ گلشن خیالش پرورشتہ بلبل است و چراغ فکرش پری پروانہ سخنش سرخوشی را بادہ و بینش وافسردگی را زہر ہلاہل ترکش لفصوۃ گدہ مہر و فست بال و بہ آشوب گاہ رشک دشمن کاہ بہ فراہم آوردن تذکرہ ریختہ گویان قدسی انجمنی بہ کار آراستہ واز تار و پود فیض ازل و حیات ابد نو آیین بساطے بدان بزم در افگندہ۔"

اس موقعہ پر مفتی صدر الدین صاحب کی تقریظ کا اقتباس بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین ان دونوں مشاہیر کی رایوں کا اندازہ کرسکیں وہ لکھتے ہیں "وچگونہ چنیں نباشد کہ فراہم آمدہ سرآمد (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ ہو)

لکھا گیا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب جس طرح فنِ سخن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اسی طرح وقائع نگاری کے انداز کو بھی خوب جانتے تھے آپ کا سفرنامہ کس اصول پر لکھا گیا ہے اس کا حال آپ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے جو سفرنامہ مذکور میں ایک بزرگ کے حالات دوران میں آپ نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶) سخنوران معنی گستر انتخاب مجموعہ کمال و ہنرشاہ بیت سفینہ قابلیت و استعداد بیت القصیدہ دیوان فضل و کمال خداداد فاتحہ صحیفہ کاملہ دولت و اقبال بسملہ نسخہ جامعہ محاسن شیم و مکارم خصال سواد خوانِ رموز و اسرار و سواد و بیاض گزین فیض یافتگاں مبدا رفیاض نسیم جانفزائے گلشن سخن طرازی بشمیم نافہ کشای گلہائے چمن نکتہ پردازی والا فطرت بلند ہمت پاک نہاد نیکو روش قدسی نژاد صفوۃ منش پاکیزہ طینت روشن ضمیر کامل فرہنگ عدیم النظیر فہم مجسم ادراک متشکل نواب مصطفیٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ است لآلی منثور سخن طرازان را از نظم او پایہ بلند است و ریاحین منثور نکتہ پردازان را از فراہمی او پایہ ارجمند" حضرت مومن نے اس تذکرہ کی داد ایک قطعہ تاریخ لکھ کر دی تھی جو یہ ہے:-

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا ہے شیفتہ جس کے جانِ معنے
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا کوئی نہیں قدر دانِ معنے
افکار بلند سے بنایا چرخ پر آسمانِ معنے!
ہر فقرۂ نثر جان مضمون ہر شعر رواں روانِ معنے
کیا بات ہے منتخب کی تیری اے منتخب جہانِ معنے
ہر لفظ انتخاب تیرا خالِ رخِ دلبرانِ معنے
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز الفاظ کا پایہ شانِ معنے
معنے ہیں ثنا طرازِ الفاظ الفاظ ہیں مدح خوانِ معنے
اے تازہ بہارِ باغِ مضمون اے گلشنِ بے خزانِ معنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ ہو)

تحریر فرمایا ہے "ایک کامل العقیدت صائب الرائے نے اُن کی خرق عادت کی ایک نقل میرے سامنے بیان کی میں نے قصد کیا کہ اس کو لکھوں لیکن چونکہ میری عادت میں عجائبات لکھنے میں بہت احتیاط ہے لہذا میری طبیعت نے مجھکو لکھنے سے باز رکھا"

آخری زمانہ میں جبکہ اُن کے ہمعصروں کا شمار رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جاتا تھا آپ نے عزلت گزینی اختیار کرلی تھی اور سوائے یادِ الٰہی کے اور کچھ شغل نہ تھا اکثر مزارات پر حاضری کا معمول تھا چنانچہ سبزی منڈی دہلی میں ایک بڑے بزرگ کا مزار ہی جو حضرت شاہ آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب واقع ہے وہاں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت شاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷)

ہی تذکرہ ریاض فردوس ✦ فردوس ہے یا جنانِ معنے
مومن نے جب اسمیں دیر تک کی ✦ سیر گل و ضمیرانِ معنے
آیا ہی خیالِ سالِ اتمام ✦ تھا وہ بھی تو باغبانِ معنے
غنچہ کی طرح سے سرفرو تھا ✦ یک چند وہ ہمزبانِ معنے
جب نغمہ سرا نہو سکا وہ ✦ دستان زن داستانِ معنے
ہاتف نے کہا ہو اس کی تاریخ ✦ گلدستہ گلستانِ معنے

۱۲۵۰ھ

باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر اکثر تشریف لیجاتے تھے۔ یا دہلی کے مشہور علما سے صحبت رہتی تھی۔ دنیاوی معاملات سے قطعی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی تمام ریاست کا کام اپنے فرزند اکبر نواب محمد علیخاں صاحب کے سپرد کر دیا تھا۔ ہندو روسار دہلی آپ سے نہایت خلوص رکھتے تھے اور وہ آپ کو اپنے یہاں شادیوں میں باصرار بلاتے تھے لیکن جس وقت آپ تشریف لیجاتے تھے تمام ناچ رنگ موقوف ہوجاتا تھا۔

معاصرین کی رائیں نواب صاحب اور مرزا کی فارسی دیوانوں میں بعض غزلیں ایک ہی قافیہ ورد یف میں ملتی ہیں جن کے مقطعوں میں دونوں نے ایک دوسرے کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً نواب صاحب فرماتے ہیں۔

اے حسرتی! اہر سخن غالب کہ از غزل + آں کار می کند کہ بہ افسوں نہ کردہ کس

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب ز حسرتی چہ سراید کہ در غزل + چوں او تلاش معنی و مضمون نہ کردہ کس

سچ تو یہ ہے کہ مرزا غالب نواب حسرتی کی سخن فہمی و سخن سنجی کے اسقدر معتقد تھے

کہ ان کے نزدیک نواب ممدوح کے پسند شعرا کے حسن و قبح کے معیار بھی فرماتے ہیں۔ ؎

غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او + ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نہ کرد

مرزا غالب مرحوم کی پنج آہنگ میں اُن کے بعض رقعات[۵۱] ملتے ہیں جو انھوں نے

---

[۵۱] حضرت سلامت - مرا کہ زبان در ستایش بیقرار است و اندیشہ در سگالش گستاخ - امید کہ در آں پایہ برترۂ خوش آمد گویاں شمردہ نشوم و بدیں مایۂ جراءت بزہ مند نگردم - بنامیزد تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامی را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار رہرو نظر چوں بہ پیدا ے کنار نا پیدا ے ذوق سخن گام تماشا بردارد توشہ بہ ازیں برکمر نتواند بست خضر با انہمہ جگر تشنگی کہ سکندر روا داشت لبش بر شحہ آبی تر نتوانست کرد و آں آب از دریا بخشیدن بود۔ شاگرد بہی را از دور و نزدیک بسخن زندگانی جاوید بخشیدید و ایں لختی از عمر بکار دیگراں کردنست جاوداں زندہ باشید کہ سخن گویاں از شما زندۂ جاوید شدند و ہمگنا نرا بہ نکوئی نام بر آمد باری گہر سفتن و تا مہ گوہریں نگاشتن۔ نامہ در ردیف الف بنگارش اشعار پروین نثار حضرت آزردہ از چہ رو سمت ہرچند ذکر خدام بر جبیں مقام در جریدہ ایں فن نہ سزاوار شان فضیلت باشد لیکن اگر بمقتضا ے فرط محبت جدا ئی بکار میرفت گناہی نبود و در تلافی آں پوزش نیاز می افتاد و ہم در ردیف الف در باب گذارش حال حضرت آشوب فرو ماندۂ کشاکش خیالم یعنی بدانست نامہ نگار آشوب از اعیان سادات ایں دیار و نامش میر امداد علی و نام پدرش میر روشن علی خاں ست و دریں نسخہ بامداد علی بیگ مذکور شدہ چشم آں دارم کہ اندریں ہر دو باب بدل نشیں پاسخ نشاط اندوزم۔"

(رقعہ دیگر بقیہ نوٹ میں صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو)

نواب صاحب مرحوم کے نام لکھے تھے ان خطوط میں نواب حسرتی کی شاعری اور سخن سنجی کے متعلق مرزا نے اپنے دلچسپ ریمارک دیے ہیں علاوہ ازیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) "بنواب مصطفٰے خاں بہادر۔

فرد - مردم ز فرط ذوق تسلی نمی شوم + یارب کجا برم لب خنجر ستائی را

سحرگاہے کہ دلم از درد شانہ چنانکہ مومن مہر پیشہ از رنج ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود و ستم از الشکم بیتابی دل رعشہ دار فرخندہ سروشی از در در آمد و بسپردن بہار سامان نامہ گل عجیب تمنا بخت ہر چند نامہ سپاس امید را کیمیا و دیدۂ جان را توتیا آورد و تارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را زیور بخشید۔ لیکن از انجا کہ آں قدسی مفاوضہ از شعر و غزل چوں نامۂ اعمال زاہد از ذکر می و شاہد سادہ بود دل سود از دہ بداں نیاسود و خمارم بداں یک دو جرعہ صہبا نشکست گفتم ہی ہی بمژدۂ دیدارے کہ دل بہ نشاط آں تواں بستن و نہ کرشمۂ غزلی کہ لب بہ زمزمۂ آں تواں کشودن۔ ہر چند در از نفسے خواہش در آغاز حال بخروشم آوردہ بود و میخواست کہ خواہی نخواہی غبار نالہ بہ پردۂ گوش الہام نیوش نشاند۔ اما دور اندیشی فطرت با خودم در ستیزہ افگند و پس از اں کہ بر افتادن پردہ از روے کار و آشکار اگشتن راز نارسائی فہم و ناتمامی دانش من بہم نقصانِ خاطر نشان من شد۔ مرا از آہنگ عربدہ باز آورد و مہر خموشی بر دہان نہاد۔" .... (رقعہ دیگر)

"ولی نعمت طوطیان شکر خا سلامت۔ ہنوز گل افشانی گلبن التفات شش جہت را بہ غالیہ بیزی بوے گل فرا گرفتہ بود یعنی نشاط ورود بہارین صحیفہ از دل بدر نرفتہ بود کہ نخل برومند لفقد افشاندن بار آغاز کرد و رسیدن ہشت سبد انبہ در روضہائے فردوس بروی آرزو باز کرد زہے انبہ ہاے پاکیزہ شیریں از بروں سو بشیر شستہ و از دروں سو بشکر انباشتہ بتازگی آب از چشمۂ خضر ربا دا از دم مسیح خوردہ و بشیریں گوسے از شکر و دل از خسرو بردہ بہ پاکیزگی گوہر آب روے (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ ہو)

ان خطوط سے نواب صاحب ممدوح کی زندگی کے متعلق بھی بعض حالات پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) خانوادہ ابر وہوا۔ و بہ دلاویزی پیکر چشم و چراغ دودہ برگ و نوا برمنیاں تا از یں گراں ارز ثمر دست مزد عرق ریزی سعی بجست و فتراز حساب زیاں زدگیہای روزگار گہر سازی نتوانست شست انگور اگر در رسیدگی دانستی کہ آب گشتن و بادہ ناب گشتن دیگر است و چاشنی خدا آفرید ایں شیرہ پاک دیگر ہرگز آب نخوردی و بار نیاوردی تا دریں ساختگی ہر دم در دسر ندادی نیشکر اگر در آغاز کار روا رسیدی کہ بگونہ گون فشار در آمدن و بسعی دیگراں بصورت تنگ شکر برآمدن دیگر است و گوارائی ازل آورد۔ ایں میوہ نغز دیگر ہرگز سر از خاک بر نکردی و باندازہ درازی بالاے خویش بخاک فرو رفتی تا دریں نموداری بابلہی انگشت نما نشدی اینچہ ثانہ شکر فشاں بداں رفتہ کہ ازیں ثمرہائے بیسرش یک نیمہ پختہ و نیمہ دیگر ہنوز خام است سبحان اللہ اگر میوہ طوبی در پختگی بدیں رنگ و در خامی ایں چنیں غالب فام است من ضمان من کہ بہشتیان بادہ طہور نگرا بند و سبز پوشان آں روضہ نتوانند کہ دل از ہیچکس بابند۔ گفتم اینچہ بہ پختگی زرد گر دیدہ کرشمہ کارسازی عنایت است کہ کار بے نوایان بفردا گذاشت و اینچہ پیش از رسیدن رسیدہ اشارہ بجوش گرمی ذوق است کہ درنگ در دلجوی روا نداشت۔ دل گفت ہما نا اینچہ بہ پختگی زرد گرد نہایت شوق است کہ من بداں خرسندم و خورسندی من فراواں باد و اینچہ پیش از رسیدن رسد مژدہ وصل است کہ من بداں آرزو مندم و دوست مرا بر زباں باد فقط“ .... (رقعہ دیگر)

نامہ بنام نواب محمد مصطفےٰ خاں بہادر۔ جان را از تن سپاس و خواجہ را از بندہ نیایش۔ روز ادینہ چوں شب شد بزم سخن آراستند از آں رو کہ غزل نگفتہ بودم از شرم تہیدستی سپر در پیش داشتم و رفتن با انجمن مضمونی بود کہ ہرگز بخاطر نمی گذشت والاجاہ نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالےٰ دو فرشتہ بر من گماشتہ زین العابدین خاں عارف و غلام حسن خاں مجروح یعنی ایں ہر دو ابرام پیشہ شام گاہ بخلوت کدہ تنہائی من آمدند و فیل آوردند و بداں ساں کہ شیر را چوں شکار کنند بر فیل بار کنند مرا با انجمن بردند۔ دیدار مخدوم و معظم و صدر اعظم مولوی صدر الدین خاں بہادر تلافی رنج راہ کرد بارے مرحلہ رہروان دراں بود کہ مولانا صہبائی قدم رنجہ نفرمودہ بودند غزل مولانا صہبائی در زمین طرحی دو سہ بیت دلنشین داشت بالجملہ چوں غزلخوانی سرآمد گرسنہ نم نمی آید و ریحتہ ہزج مثمن سالم کردند از یاران بندہ میرزا زین العابدین خاں عارف و جواہر سنگھ جوہر در زمین طرح دو غزل خواندہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ ہو)

روشنی پڑتی ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم[۵۱] نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں جہاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) نقش نغز گوئی بکرسی نشاندند۔ من بغزلی کہ ہمدراں روز گفتہ بودم زمزمہ سرائے آمدم۔ غزل۔
صبح شد خیز کہ رو داد اثر بنمائیم + چہرہ آغشتہ بخونابِ جگر بنمائیم فقط
نامہ نگار اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ بست وسوم مارچ ہنگام نماز عصر کہ ابر قطرہ فشاں بود وہوا نگرسبار فقط
امید گاہا۔ دی کہ آدینہ روز بود دلوئید بزم سامعہ افروز۔ شامگاہ ہماں دو فرخ سروش از در در آمدند و مرا
بانجمن بردند۔ میر نظام الدین ممنون ومولوی امام بخش صہبائی چوں رنجور بودند نیامدند کس بخدمت حضرت
آزردہ فرستادہ شد اگرچہ دیر آمدند اما آمدند۔ دلم را صفا وزبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمین گلستن نگارش
قصیدہ اتفاق افتادہ بود۔ آں می سنجیدم کہ ورق را چوں برات نامقبول باز برم ریختہ گویان را در سپر
ندہم۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بخود بالید وزبان بزمزمہ دستوری یافت سحابی نیز ناخواندہ حاضر بود و در
زمین گلستن غزلی انشا کردہ۔ چوں قصیدہ ما شنود خجل شد واز گفتہ خود لختی خواندہ درگذشت۔ امروز در
بند آں بودم کہ قصیدہ بر ورقے بنویسم بہ پرستاران در دولتکدہ فرستم تا نیمروز فرصت نگارش دست بہم
نداد ہنگام نماز پیشین بود کہ سحابی وفتاح باہم آمدند آنرا اگرچہ در آستیں وایں را گلدستہ در دست بہ ید
فرخندہ نامہ بمن سپرد ورفت و ابر باریدن آغاز کرد ابر قطرہ می ریخت ومن آرزوے نامہ گہر سنجیدم تا اینکہ کلبہ
ام از آب و دامنم از گوہر نایاب پرشد زہے غزل وخوشا غزل پایہ ایں زمین را بآسماں بردہ اند وسخن
را بنوازش زمینیان از آسمان فرود آوردہ سخن سرودن حق شماست اگر ابروے ستودن نداشتہ باشیم بر
خود نازمی توانیم کرد زیادہ زیادہ فقط"
رشک طالب وفخر غالب سلامت۔ قصیدہ گلستن با آنکہ از دلم فرمان رسیدہ واز زبانم بدر تراویدہ وہمچناں
در دل جا دارد۔ بمشاہدہ غزلی کہ امروز بمن رسید ہم از دل رفت وہم از نظر افتاد۔ زہے غزل وخوشا غزل
اگرچہ نارسا بیان وکج مج زبانم۔ اما اگر ہر بیت را جدا گانہ بیک قصیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ ہو)

[۵۱] سرسید مرحوم سے اور نواب صاحب سے ہمیشہ دوستانہ مراسم رہے علیگڑھ میں جب سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد
سرسید نے رکھی تھی تو نواب صاحب بھی اس کے ممبر ہوئے تھے۔

شعرائے دہلی کا ذکر کیا ہے - نواب صاحب کا کلام بھی لکھا ہے اور ان کی ثنا و صفت

(بقیہ نوٹ صفحہ ٥٣) ستایم میتوانم آہ ازین مقطع وداد - ازین مقطع زبان ستایش این مقطع کراست با آنکہ در سخن هوا خواه و آفرین گوی شما ستم مرا بر شما بر شک آورد و جادوان مانید کہ پیکر سخن را جا نیند - درین مشاعره کہ گزشت خاک زمین گیر من غبار چشم ریختہ گویان نگشت - غزل خود یک ہفتہ پیش از روز غزلخوانی گفتہ - بخدمت حضرت آنندہ دام بقاوہ فرستادہ ام و سر آن داشتم کہ چوں بنامہ کامیاب گردم و آنرا پاسخ نگار شوم در نگارش ہماں غزل سرمایۂ من باشد امروز کہ اولا نامہ رسید ہمیں دم بپاسخ نگاری نشستم و تا ورق بپایان کر سید نان نخورم + فرد - دیدم آں ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم + خود ہماں شور است کاندر زیست در سر داشتم "والسلام"
(رقعہ دیگر نظم)
تا آں خواجۂ بے پروا + من بندہ کہ غم ناکم + وز غصہ جگر چاکم + خواہم سخنی گفتن + آں روز کہ میرفتند + آں نامہ فرستادند کز دیدن آں خون شد + دل تا جگر از اندوہ + گفتم چہ کنم غالب + چوں کار دگرگوں شد + می بایدم اینک رفت + تا عذر سخن خواہم + چوں گرد و غباری بود + رفتن نتوانستم + امروز بشام آمد + لا بلکہ سیہ تر شد سرماندہ ببالین بر + چوں غم زدگاں خفتم + ہی ہی چہ تواند خفت - آں خستہ کہ غم خوارش - بر زخم نمک پاشد + وز دیدہ بیدارش + شورابہ رواں باشد - چوں از افق شرقی + خورشید درخشندہ + ناگاہ سری برزد + آتش بجہاں در زد + مرغ سحری پر زد + رفتم بجگر کاوی + واں راز نہانی را + اندر بزبان دادم + در خلوت تنہای + بے پردہ چو ہمراز اں + نے آمد و ہمدم شد + چندانکہ دم اندر نی + از مہر دمیدم من + چوں من بنوا آمد + واں نالہ کہ بر لب بود + از باطن نے سر زد + آندم کہ نفس با نی + زیں گونہ کشاکش کرد + یک کاغذ نانوشتہ + بود است بدستم در + چوں نالہ نمودی داشت + زاں شعلہ کہ دوری داشت + بر صفحہ نشاں ماند + گفتم مگر ایں صفحہ + عنوان نامہ را رستی + فہرست نیارستی + باید کہ فرو پیچم + و آنگہ نہ نشان سندی + نزد خواجہ رواں سازم + کوتاہ کنم گفتن + آں نامہ کہ من گفتم + حجاب بردہ الا بردند و رواں کردند + ہر چند در اندیشہ + پیداست کہ خوش باشد + با خواجگی استغنا - با ایں ہمہ خوش بنود + پوزش نہ پذیرفتن + دیروز سحر گاہاں + روشن گہر آں نیر + کش روح رواں دائم + بل خوشتر از آں دانم + دیوان نظامی را + آورد بسوے من + زیں گونہ نواہا بود + در پردۂ گفتارش - کز ذوق بہنجارش + ایں زمزمہ سر کردم + والا گہر اکبر خاں خوانند سلام از من" فقط - (ماخوذ از پنج آہنگ غالب)

ہیں جو نثر لکھی ہی وہ اگرچہ مبالغہ شاعرانہ سے پُر اور خیالات کی بلند پروازی
سے مملو ہی لیکن چونکہ وہ اگلے وقتوں کی اُردو زبان کا نمونہ ہی اور اس طرز کی
اُردو میں غالباً سرسید کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اس لیے
تبرکاً اس کا وہ اقتباس جو نواب صاحب کے متعلق ہے درج ذیل کرتے
ہیں۔

" باوجود ناز و نعم و ثروت کے مشق سخن کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہی کہ قلم تردد سے
نہیں آسودہ ہوتا اور فکر تلاش سے بلبل کی سجع خوانی اور قمری کی فصیح بیانی
اُنھیں کی نستعلیق گوئی سے مستفاد ہی۔ یہ پایہ فصاحت کا اور سرمایہ بلاغت
کا خداداد ہی۔ اگر رنگینی مضامین کی گل کو رنگ۔ اور لطافت عبارت
کے گوہر کو آب نہ دے۔ بلبل کا عشق کامل اور تاج سلاطین کی زینت
تمام نہ ہو۔ انتخاب اُن کے کلام بلاغت نظام کا اس مقام پر سرمایۂ فرحت ارباب
نظر ہی۔"

تذکرہ شعرائے ہند میں جو مولوی کریم الدین مرحوم نے ۱۲۶۳ھ ہجری میں تالیف
کیا تھا نواب صاحب کا ذکر الفاظ ذیل میں کیا گیا ہی:-

" شیفتہ تخلص نواب مصطفٰے خاں خلف الصدق عظیم الدولہ سرفراز الملک

نواب مرتضےٰ خاں بہادر کا ہی۔ یہ صاحب ذکی و ذہین ہیں۔ امرائے شاہجہان آباد سے بڑے امیر ہیں۔ شاگرد حکیم مومن خاں کے۔ اکثر اشعار ان کے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ایک تذکرہ گلشن بیخار انھوں نے شعرائے اُردو کا اس طور پر لکھا ہے کہ حال سب شاعروں کا فارسی میں شعر اُس کے اُردو ہیں۔

یہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں تیار ہوا تھا۔ دو دفعہ مولوی محمد باقر کے چھاپہ خانہ میں چھپ چکا ہے۔ ایک دیوان بھی اُن کا میں نے سُنا ہی کہ تیار ہوا ہی"

تذکرہ گلستانِ سخن میں جو مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد شہزادہ مرزا قادر بخش صاحب کی تالیف سے ہی۔ نواب صاحب کا حال اس طرح لکھا گیا ہے۔

یہ درویشی ثنائے مصطفےٰ خاں مسکینی آرے ✤ خوشامد گوئنہ تارے و حشمت درمیاں بینی

علوم رسمی سے کما ینبغی آگاہ۔ اور فنون متداولہ میں کامل دستگاہ۔ اصناف سخن میں قدرت تمام۔ اور فنون شتّٰی میں مہارت تام کمال مرتبہ شناسی سے ہر سخن اپنے موقع میں اور ہر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر جس طرح تیغ ہندی

ریختہ شاہدان شنگول کے غمزہ سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہی۔ اسی طرح بادہ شیراز فارسی خوبان سیاہ مست کی چشم سے زیادہ تر خمار شکن ہی اور جیسے اُس تیغ آبدار کے سلح شور اس شہسوار ہنر کو شیفتہ نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس بادۂ صاف کے سرمست اُس مے گسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ہیں۔ جو کثرتِ اوصاف مہرد ہاں اور وفور محامد بندزبان ہی۔ ناگزیر نظر بر اوصاف اور ذکر مدایح سے تحریر افکار گوہر نثار پر قناعت کرتا ہوں۔

وفات | ۱۸۶۹ء میں جبکہ عمر گرامی کا تریسٹھواں[۶۳] مرحلہ تھا آپ کا وصال ہوا اور دہلی میں حضرت سلطان المشائخ مولانا سید نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں اپنے جد امجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ ذیابیطس کا مرض پہلے سے تھا وقت آخر ہاتھ میں ایک کالا دانہ نکلا تھا وہی موت کا بہانہ ہوا۔ اپنا کفن بیت اللہ شریف سے ہمراہ لائے تھے اسی میں کفنائے گئے۔ وفات کے دن جس روز سفر آخرت درپیش تھا اعزا علاج میں مصروف تھے ڈاکٹر نے ایک نسخہ تجویز کیا جس میں پورٹ وائن شامل تھی جس وقت یہ نسخہ لکھا جا رہا تھا نواب صاحب نے فوراً ہی آنکھ کھولی اور حاضرین سے کہا کہ میری روح کو اس وقت بڑا صدمہ ہو رہا ہی۔ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہی؟ اس پر صاحبزادہ محمد علیخاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم سے ایک گستاخی ہوئی ہی یعنی

ایک ایسا نسخہ لکھوایا گیا ہی جس میں پوٹ وائن شامل ہی فرمایا کہ "الحمدللہ! وقت پر اطلاع ہو گئی۔ اور موقعہ نہ ملا کہ اس نسخہ کا استعمال کیا جائے" اور یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ کا شکر کرنا کہ اُس نے آخری وقت میں تمھارے باپ کو گمراہی سے بچالیا۔ کہ اُسے اپنی صحت کے لیے احکام شرعی کی خلاف ورزی کا موقعہ نہ ملا"

آپکی وفات[۱] کی تاریخ کلام پاک (سورۂ دہر) کی اس آیت سے برآمد ہوتی ہے۔ "وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا" یہ مادہ تاریخ مولانا حالی مرحوم و مغفور نے اسی زمانہ میں نکالا تھا جو آپ کے مزار مبارک پر کندہ ہی۔ فقط خاکسار

نظامی بدایونی

۲۲۔ نومبر ۱۹۱۵ء

---

[۱] آپ کی وفات کے متعلق دیگر قطعات تاریخ ہمیں مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی مدظلہ سے ملے ہیں جو یہ ہیں۔

(از جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم انصاری پانی پتی)

چو رفت از جہاں مصطفےٰ خاں امیر ❊ کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقویٰ خداوند زہد ❊ فقیر آشنا سالک راہ شرع
شد از فوت آں بے سر و پا تمام ❊ وقار ۔ کریم ۔ بذل و ۔ تقویٰ و ۔ ورع
۸۰ ۔ ۳۰۰ ۔ ۶۰۰ ۔ ۱۰۶ ۔ ۲۰۰
سنہ ۱۲۸۶ھ

(از جناب خواجہ امداد حسین صاحب مرحوم متخلص بہ مظہر پانی پتی)

چوں رئیس ابن رئیس نامدار ❊ کرد رحلت زیں جہانِ بے بقا
سالِ تاریخ وفاتش فی البدیہہ ❊ ملہمِ غیبی بمن کردہ عطا
کز سرِ رازی بباید گفت ایں ❊ رحمتِ حق بر محمد مصطفےٰ
سنہ ۱۲۸۶ھ

کلام ریختہ پر ایک نظر

نواب صاحب کا دیوان ریختہ محض غزلیات کا ایک مختصر مجموعہ ہے اصناف نظم میں سے کوئی اور صنف اس میں نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ریختہ کو اپنا خاص فن نہیں بنایا تھا کہ ہر صنف پر توجہ فرماتے۔ جو کچھ کہا گیا ہے صحبت احباب کا نتیجہ اور عہد شباب کا تحفہ ہے۔ جب سے حلقۂ صوفیہ باصفا میں داخل ہوئے تو اشغال وافکار باطنی نے فکر سخن سے دل سرد کر دیا اور اس فن کو تضیع اوقات کا موجب سمجھنے لگے۔ اثنائے غزل میں کہیں کہیں قطعہ بند اشعار بھی آگئے ہیں ان میں سے دو قطعے یہ ہیں۔ جن سے بیان کی وسعت ظاہر ہوتی ہے اور سلسلۂ سخن ایسا مربوط ہے کہ جب تک نتیجہ نہیں سن لیتا سامع کی توجہ قائم رہتی ہے۔

(۱)

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز	تلوّن سے بھی تمکو مدّعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں	کبھی بے وجہ غیروں سے دفا کیا
کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں	کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفریں کیوں	کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں
کبھی یہ غمزہ ہائے جاں فزا کیا

کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا

کبھی بے جرم یہ آزردہ ہونا
کہ کیا طاقت جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر بہرِ تسکیں
پڑی ہم جلوہ ہائے دل ربا کیا

یہ سب حال اُس نے سُن کر بے تکلف
جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

(۲)

ساقی کو میکدہ میں سرِ ناؤ نوش ہی
صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہی

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز سے
معشوق کو غرور ہی غُنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شی کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی
ہر بات منطقی کی مراؤ جدال ہی

اربابِ حکمتِ نظری کو عمل نہیں
اہلِ کلام کو ہوسِ قیل و قال ہی

جن کو کہ دست گاہ ہی فنِ نجوم میں
عمران کی صرف زائچۂ ماہ و سال ہی

ہیں بعض لوگ در پئے اسراف رات دن
بعضوں کو روز و شب سرِ توفیرِ مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخرِ نسب لذیذ | بعضوں کو ذوقِ دعوئ فضل وکمال ہی
مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے | منعم غریقِ لجۂ بیم و زوال ہی
جو ہیں حریصِ سیرِ چمن ان کو بزم میں | ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہی
جی میں کسی کے خواہشِ آرایشِ لباس | دل میں کسی کے حسرتِ جاہ جلال ہی
کوئی طلب میں اشہبِ گلگوں نظیر کی | کوئی اسیرِ شوقِ شکارِ غزال ہی
کوئی فدائے قامتِ آفت خرام ہی | کوئی خرابِ نرگسِ جادو مثال ہی
ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں | بے وجہ کوئی خوش ہی کسی کو ملال ہی
کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ | اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہی

طرز مومن خانی

اگرچہ حضرت شیفتہ کو کلامِ ریختہ میں مومن خاں مرحوم سے نسبت تلمذ تھی لیکن اندازِ سخن میں اُستاد کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ایک طرزِ خاص رکھتے ہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نرالی سب سے ہی ای شیفتہ اپنی روش لیکن | کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہی

پھر بھی اُستاد کی روش خاص میں جو کچھ فرمایا ہے وہاں دونوں کے کلام میں فرق

دشوار ہی۔

شمیمِ زلف یہ ہی ہی تو وحشتِ دل نے
کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ امل جواب ہی زلفِ دراز کا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی ہیں رو دیا کیا

یاں سباحتِ محبت تلاو ان گر ان عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

اُن سے نازک کو کہاں گرمیٔ صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا اے طمعِ خام اپنا

اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہات
جس ہات نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

اُس سے میں شکوہ کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

نہ دیا ہائے نہ مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

وہ صبح جلوہ جلوہ گرِ باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

وضع حفظ ہی تو عشرتِ صحبت معلوم
رنگیں ہی بیگناہوں کے خوں سے سوادِ شہر

بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں
حالانکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

ہرچند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنّا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھکر
یہ اہلِ مرّوت ہیں تقاضا نہ کریں گے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہی مجھے ایسی مہربانی سے

تصوف

تصوف بھی مضامین غزل کا ایک دلاویز عنصر ہے - بعض شعرا اس مضمون میں تقلیداً ورسماً طبع آزمائی کرتے ہیں - لیکن حضرت شیفتہ کا یہ خاص مشرب ہی اور اس باب میں جو کچھ فرمایا ہی اُس سے رنگ تحقیق تراوش کرتا ہی غالباً کوئی غزل مضامین تصوف سے خالی نہیں - اُس میں سے چند شعر اس موقع پر مدِّ نظر ناظرین ہیں -

پیمانِ ترکِ جاہ لیا پیر دہر نے
پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا

وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے
نہ رنگ ہی متغیر ہوا اہلِ[15] تمکین کا

[15] صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اہل تمکین وہ ہیں کہ ایک حال پر قائم ہوجاتے ہیں اور اہل تلوین وہ ہیں جن کی حالت واردات کے موافق متغیر ہوجاتی ہے - ۱۲

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ فوق	ہی کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا
یاں خارِ خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا	ہاں عالمِ شہود ہی آئینہ ذات کا
کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے	غلط شوق ہی جنس نایاب کا
کل نغمہ گر جو مطربِ جادو ترانہ تھا	ہوش و حواس عقل و خرد کا پتا نہ تھا
کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے	آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا
وجد کو زمزمۂ مرغِ سحر کافی ہے	شیفتہ نازِ مغنی و مزامیر نہ کھینچ
جو بات میکدے میں ہی اک اک زبان پہ	افسوس مدرسے میں ہی بالکل نہاں ہنوز

میکدہ یا میخانہ سے حلقۂ مردانِ خدا مراد ہوتا ہے اور میکش سے سالک اور مے و بادہ سے کیفیات قلبی - ۱۲

اکثر ہوا ہے مجکو سفر در وطن مگر	لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز
اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ	مدہوش ہیں ملائکۂ آسماں ہنوز

اس شعر میں لفظاً کوئی صراحت نہیں لیکن حقیقت میں یہ نعت ہی رسول کریم صلعم کی - ۱۲

میخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی	لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز
اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی	کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

برق سے تجلیاتِ جلال و جمال مراد ہیں اور خار و خس سے تعلقاتِ کونی - ۱۲

عبث ہی شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا

وجد میں لائے اہلِ درد ہمیں

قسمت اُس کی خبر نہ ہو جس کو

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہی الگ

پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ

کچھ درد ہی مطربوں کی لَے میں

بد مست جہان ہو رہا ہے

میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال

ڈر ہی کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ

جام مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو

ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش

ہر شغل میں اہم ہی نگہبانِ نفس

واقفِ اسرارِ معانی سے

ہم آئے ہیں جہاں سے اُسی کا خیال ہی

ملے گا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

عام اس دور میں ہی بادۂ خاص

جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کچھ آگ بھری ہوئی ہی نَے میں

ہی یار کی بو ہر ایک شے میں

بزم جم بارگاہ کَے میں

کیا شرحِ حالتِ دلِ درد آشنا کروں

ورنہ کبھی سماع مجرد سنا کروں

کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

محفلِ بادشہ سے عار نہیں

اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

جز شاخ سدرہ ہم کو سرِ آشیاں نہیں

قطع نظر جو نقش و نگارِ جہاں سے ہو
اُس صوت جاں نواز کا ثانی بنا نہیں

پائی ہی بوسے دوست عنادل نے باغ میں
حجاب منظرِ مقصود ہی طلسم خودی

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدے میں رند
صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا

ای مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو
کیا وہ متاع جس کے نہ ہو کوئی گھات میں

نغمہ پہ وردہی شورش سے افاقت معلوم
جو کہ ہوا محو تجلّی ذات

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
آخر کار می پرستت ہوا

راز پوشیدہ پوچھیے کس سے

دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

پروانوں پر پڑی ہی تجلّی چراغ میں
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح یاب نہ ہو

مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہ ہو
جس شہر و دیہہ میں کہ سرائے مغاں نہ ہو

باندھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا
ڈرتا ہوں میں جو دزدِ پسِ کارواں نہ ہو

بادہ پُر زور ہی کیا نشہ کی شدت معلوم
خاکِ درِ اُس شخص کی اکسیر ہے

دینداری و پارسائی کی
شان ہی اُس کی کبریائی کی

بے خبر ہی جو با خبر کچھ ہی

پند و حکمت

حضرت شیفتہ کے کلام میں پند و حکمت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ قدما کی روش ہے۔

تم کو نہیں جو عُجب تعجب ہے شیفتہ
نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
منع کی حرص پر انسان ہوا ہے مجبول
یہ ہے نصیحتِ پیرانِ کار اُفتادہ
اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہے
واعظ کے قول خوب ہیں رندوں کے فعل خوب
فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہے

ہے فن زمانہ یہ سرشت کرام میں
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو
ناصحو! دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو
کہ بد بلا ہے جوانی ڈرو جوانی سے
بارگاہِ ثابت و سیّار سے
وہ اُس سے سیکھ لیجیے یہ اُن کو سکھائیے
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو

اُردو کے ساتھ عربی جملوں کو نظم کرنے کی قدرت

حضرت شیفتہ چونکہ عربی فارسی اور ریختہ تینوں زبانوں میں قدرت سخن گوئی رکھتے تھے۔ اس لیے کلام ریختہ میں کہیں کہیں عربی جملوں کی تضمین نہایت پُر لطف واقع ہوئی ہے اس روش میں بالکل خواجہ حافظ سے مماثلت پیدا ہو گئی۔ اور بعض

غزلوں میں برسم شعراء عرب محض قافیہ پر قناعت کی ہے۔

کیا مزا تم سے آشنائی کا	بیت	ما شہ شیم مدامنہ الا خلاص
شیفتہ نے ہماری داد نہ دی	"	سچ ہے القاص لایحب القاص
کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہے	"	یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال
ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں؟	"	اے خردہ گیر نحن رجالٌ وہم رجال

حُسنِ معانی

ضوابط نظم اور قواعد شعر سے بالاتر ایک حسن معنوی اور تاثیر مخفی ایسی ہوتی ہے جس کا لطف وجدان صحیح و ذوق سلیم ہی پا سکتا ہے۔ ایسے اشعار بھی حضرت ممدوح کے کلام میں جستہ جستہ نظر آتے ہیں۔

بے فائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا؟		اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا
اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھکو		کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا
وہ مجھسے خفا ہے تو اُسے یہ بھی ہے زیبا		پر شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا
میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں		جفا میں نہیں دخل اسباب کا
صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو		صحرا کو جس کے جلوہ نے گلشن بنادیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ ہیں
کھیل نہیں کچھ کہ دکھا دوں تمھیں

اس نے ہی کیا نگہ کو بھی پُرفن بنا دیا
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور!
اس نو بہار حسن کو بدنام مت کرو

اس وقت اتفاق سے ہیں وہ عتاب میں
تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

دھوکا مجھی کو صرف نہیں میل یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

کہوں میں کیا کہ کیا درد نہاں ہے؟
تمھارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

پہلا مصرعہ ایک معمولی بات ہے مگر دوسرے مصرعہ نے اُس کا رتبہ بہت ہی بلند کر دیا ہے۔ یعنی تمھارا پوچھنا ہی درد نہاں کی حقیقت کا ثبوت ہے۔ ۱۲

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتش گل
یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے؟

اُن کی باتیں اُس نے بھی چھپ کر سنیں
آج ناصح کو نصیحت ہو گئی

شوخی و ظرافت

نواب صاحب کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی کا مادہ زیادہ تھا۔ اس سے لیے شاعرانہ شوخی و ظرافت ان کے کلام میں کم پائی جاتی ہے۔ پھر بھی جو کچھ ہے

نہایت خوب ہے۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی	میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے
جلد منگواؤ شرابِ گل رنگ	شیفتہ ساقیِ گل فام آیا
پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہے	مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اس شعر میں محض شاعرانہ شوخی ہی نہیں بلکہ ایک پہلو تصوف کا بھی ہے یعنی مینا سے وہ اذکار و اشغال مراد ہیں جو سالکان طریقت کے ذوق و شوق و وجدان کو بڑھاتے ہیں اور ان اشغال کا وقت قبل نماز صبح ہے۔

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام	بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
کمی تھی حالتِ رندی میں اس کو کیا یارو؟	کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ؟
رند فارغ بھی ہوئے جام سحر گاہی سے	اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں
پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ سادے بھی ہوئے	باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مُے ناب نہیں
پیری میں سیرِ باغ کی تقریب شیفتہ	معشوقہ ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں
شیفتہ اک رند مشرب شخص ہے	کس سے لوگوں کو عقیدت ہوگئی
شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر	دینداری و پارسائی کی
آخر کار مے پرست ہوا	شان ہے اُس کی کبریائی کی

جس لب کے غیر بوسے لیں اُس لب سے شیفتہ		کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

اس قطعہ میں منشائے شوخی محض لفظ مے پرست ہے جس سے صوفیہ کی اصطلاح میں کیفیات باطنی کا ذوق و شوق مقصود ہے۔ ۱۲

محاورہ بندی

بعض شعرا کے اشعار کی بنیاد محض محاورات پر ہوتی ہے اگرچہ نواب صاحب کا شیوہ خاص معاملہ بندی ہے لیکن جہاں کہیں محاورات و امثال کو باندھا ہے اس کی بندش بے تکلف اور بامزا ہے۔

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین		دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں		جان کو دشمن کی ہیں رو یا کیا
میں کہیں توبہ ہیں ہوں آپ لیکن کیا کروں		منہ میں بھر آتا ہے پانی۔ جام مینا دیکھکر
ہے شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار		گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ
بلبل کو بھی نہیں ہے دماغ صدائے گل		بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل
چراغ وقف محبت نے کر دیا افسوس		کہ مجھکو اپنے پرائے سبھی جلاتے ہیں
بوسہ لب نہ مانگنا اے دل		منہ لگاتا ہے کون سائل کو

غیر سے کب ہوا ہی ترک کلام	باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے؟
ڈوب مرنے کی جگہ ہی غسلِ صحت ہجر میں	روئے دیتا ہوں احبا کی مبارکباد سے
کیوں کر سے مجھے خط رقم کریں گے	کیا غیر کا سر قلم کریں گے
ذکرِ وصالِ غیر و شبِ ماہ و بادہ سے	ایسے لیے گئے۔ ہمیں طعنے دیا کیے
سنتا ہوں آتے اُس کو سے گزر کرتا ہی	ابتو لو غیر بھی دل میں مرے گھر کرتا ہی
ناصح تری زبان ترے بس میں جب نہو	انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے؟

دیوان فارسی ایک نظر

اس دیوان میں سات قصیدے۔ متعدد قطعے اور باقی تمام تر غزلیات ہیں۔ ان سات قصیدوں میں سے چھ قصیدے نعت سرور کائنات میں ہیں اور ایک جناب علی مرتضٰے کی منقبت میں۔

نواب صاحب نے امرا و ملوک کی مداحی کبھی نہیں کی۔ نہ ان کی طبیعت کے مناسب تھی۔ قصیدہ کا جو انداز رائج ہو گیا ہی وہ حقیقت میں بھٹئی ہے۔ نواب صاحب جیسے دیندار۔ صوفی منش۔ کی شان سے بعید تھا کہ شاعری کے اس میدان میں طبع آزمائی کرتے۔ نہ اُن کو صلہ کی حاجت تھی نہ شاہ و

امرا کی حضور میں رسوخ کی پروا۔ سیر و سلوک باطن نے نام و نمود کی ہوس بھی مٹا دی تھی۔ لہٰذا اس صنف پر قلم نہ اُٹھانا بالکل بجا تھا۔

قصیدہ اول

گر سر بہ آشتی و مدارا بر آورم
پر خاش از سکندر و دارا بر آورم

از قید نہ رواقِ نگارین بر آورم
یوسف زہفت کاخِ زلیخا بر آورم

اول بآب چشمہ کوثر وضو کنم
وانگہ نفس بنعت مزکّٰے بر آورم

قصیدہ دوم

رستم از ہجر و بمنزل گہ جاناں رفتم
جانبِ گل کدہ از دشتِ مغیلاں رفتم

نور بن شمع رہ خضر شد اندر ظلمات
گر شبِ تار بسر چشمۂ حیواں رفتم

خود ندانی اثرِ فیض مزار شاہ ست
کہ بہم پائیِ دل ناصیہ سایاں رفتم

آں بدریائے رسالت گہر یک دانہ
کہ زفیضش نہ بدریوزۂ عماں رفتم

مطلع قصیدہ سوم

کارے بحسبِ خواہشِ دل رہماں مخواہ	تغیر رسم کہنہ ہفت آسماں مخواہ

مطلع قصیدۂ چہارم

اے در حسد بہ بزم تو از ساغر آفتاب	با آنکہ اشرف ست ز ہر اختر آفتاب

مطلع قصیدۂ پنجم

زیں بعد ما و درغمِ دل ناگریستن	گشت آشنائے نرگس شہلا گریستن

مطلع قصیدۂ ششم

نسیم صبح آمد سوے من از ساحتِ گلشن	پر از ریحان و گل جیب ۔ آستیں از لالہ و سوسن

مطلع قصیدۂ ہفتم

دوشش کاں رشکِ ماہِ کنعانی	ہم چو خور کرد پرتو افشانی
بحر جود و کرم علی کہ کفش	درفشاند چو ابر نیسانی

غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں سلاست، روانی۔
سنجیدگی۔ بندش کی چستی مشق و مہارت کا نتیجہ اور شیرینی و لطافت خداداد کہ
معنوی نزاکت اور اسلوب بیان کی تازگی آپ کی فکر سلیم کا خاصہ ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں زبان فارسی کی کساد بازاری ہوگئی۔ ورنہ حسرتی
کے دیوان کی قدر و شہرت اساتذہ ماضی کے دواوین سے غالباً کم نہوتی۔

بعض غزلوں کے مقطعے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نواب صاحب کو نظیری
کی روش بہت پسند تھی چنانچہ کہتے ہیں ؎

جز حسرتی بپایۂ او کس نمیرسد | در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

نظیری متاخرین میں غزل کا اُستاد مانا گیا ہے اور اُس کا کلام معنوی نزاکتوں
کے لیے مسلم ہے۔

مولانا حالی مرحوم فرماتے تھے کہ اواخر عمر میں نواب صاحب کو فکر سخن کا
اتفاق ہوتا تو خواجہ حافظ کی روش پر کہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ آخری کلام
دیوان میں داخل نہیں ہوا۔

زیادہ حصہ نواب صاحب کے کلام کا صوفیانہ خیالات سے پُر ہے اور یہی آپ کا شعر
خاص تھا۔ عاشقانہ اشعار جو غزل کی اصل و بنیاد ہیں ان میں بھی تصوف کا پہلو اکثر

اکثر نمایاں ہے بعض اشعار حکمت و موعظت یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ البتہ شوخی و ظرافت کا مضمون شاذ ہے۔

بعض غزلوں میں ایک دو شعر صوفیانہ و عاشقانہ مذاق کے ایسے بھی ملتے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے دل پر وجد کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہی شاعری کا اعجاز ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حسرتؔ اپنے جذبات اور خیالات کو نظم فارسی میں ظاہر کرنے پر اسی طرح قادر تھے جس طرح ریختہ میں فرماتے ہیں :—

اے فیضِ تو بکشودہ زباں ہا بہ بیاں ہا	ص	حمدِ تو فرو بستہ بیاں ہا بزباں ہا
در پردہ چو بودی ہمہ در کتمِ عدم بود	=	اشباح منور شدہ از لمعۂ جاں ہا (اجسام)
در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی	[illegible]	آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را
بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشان ست	[illegible]	کسے نداد تسلی دلِ زلیخا را
مرید پیرِ مغاں شو کہ از اطاعتِ او	[illegible]	گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را
دی سوختۂ این سخنِ نغز بمن گفت	=	کز آتشِ دل خشک کنی دامنِ تر را
خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پسِ خشم و عتاب	[illegible]	لذتِ دیگر دہد زخمِ نمک سود را

خلوت خوش است ساقی و مطرب بزم را	تضمین	از گل پیالہ خواہ و ز بلبل ترانہ را
آں بس سادہ رخاں را تکلف آئین است	نظیری	گر زینت است نہ آرائش لباس مرا
بہ آبروئے محبت نگر کہ بنشاند	=	فراز مسند و دیبا۔ بایں پلاس مرا
امشب کہ تکلفی نہ کردیم	=	مہرست چراغ محفل ما
از رفتن ہر دوست شد آخر	=	کاشانۂ غیر۔ منزل ما

ہر کس کہ قتیل غمزہ اش شد
ای حسرتی! اوست قاتل ما

یہاں رشک و رقابت کا مضمون نہایت عمدہ الفاظ میں ادا ہوا ہے دوسرے معنے مذاق صوفیہ میں یہ ہو سکتے ہیں کہ "مقتول غمزۂ دوست ہی میرا قاتل ہو سکتا ہے۔ معنی اہل فنا ہی مرتبہ اہل فنا میں پہنچا سکتے ہیں۔

"اقتلونی اقتلونی ۔ یا ثقاۃ
ان فی قتلی حیاۃ فی حیاۃ"

ما حسرتی! ز شیوۂ غالب گرفتہ ایم	غالب	آمیختن بہ بادۂ صافی۔ گلاب را
وہ کہ زمارو انشد۔ کار کسے بزندگی	نظیری	کاش برند بعد مرگ۔ بہرہ ز سنگ و خشت ما
چشم از ہزار ناز تو پوشد کسے چرا	نظیری	دل را بیک کرشمہ فروشد کسے چرا

رحم ست بر کسے کہ دراں کوے می رود دردست نامۂ من و برلب سلامِ ما		[illegible]
ملک ہیکارِ دشمن را بسویش التجا آرد	[illegible]	اگر بہند جراحت ہائے مژگانِ دراز ش را
ای بیخبر چہ فائدہ؟ از استراق سمع	[illegible]	بے حرف و صوت نیز بیا بد خبر مرا
راز نہفتہ گفتم اگر ساقیا! مرنج	=	می گفتمت کہ بادہ مدہ ایں قدر مرا
ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہوست بخواب	[illegible]	بہارِ قدرتِ صانع چو دیدن ست مخسپ
دُور نبود اگر آں مرد بسکنا ز رسد	[illegible]	کہ سر آمد رہ و پنداشت کہ آغاز رہ ست
آنچہ خواہند و بیابند۔ نخواہند آنرا	=	ایں سخن شمۂ از ہمّتِ درویشان ست
پوشیدہ خورم بادہ و آہمہ کنم وجد	=	در اہلِ خرابات رہ و رسمِ ریا نیست
گر بامِ بلند است۔ کمندِ دگر آور	[illegible]	واماندگی از سعی روا نیست روا نیست
وہ چارۂ او کوش کہ دیوانہ ات امروز	[illegible]	از نکہتِ گل بوے ترا باز ندانست

یہ مضمون نہایت لطیف و تازہ ہے کہ عاشق دیوانہ بوے گل و بوئے یار میں تمیز نہیں کرتا۔

از بیمِ تو شب حسرتی نالہ نمی کرد	[illegible]	زیں گونہ صدا ہا۔ کہ کس آواز ندانست
چشمم وصل ست کہ می میرم و نتوانم مُرد	=	پاس راز ست کہ می سوزم و نتوانم سوخت

ذوقِ اینِ زمزمہ از خویش بُردنم آورد تصوف می سرایند کہ دل دادہ و دلدار یکیست

اضطرابِ دگر افزود۔ دلِ شیدا را = التفاتِ تو کہ ما نا بمرادے ہست

یعنی اہلِ عشق و محبت حصول مراد و مقصد سے نہایت خائف رہتے ہیں اور اسکو وادی عشق کے عقبات سے سمجھتے ہیں۔

مشاطہ را بگو کہ ببزمِ ہوس رود [illegible] در چشمِ عشق زلفِ تو بے شانہ خوشتر است

یعنی ناظرین مناظر حسن و قدرت عاشق زار اور مصنوعی خوبیوں کے دلدادہ ہوس کار ہیں۔

کشت او مرا و ہیچ شنیدی چگونہ کشت ؟	[illegible]	زاں پیشتر کہ تیغ کشد۔ خوں بہا گرفت
نگاہ کافرش غارتگر افتاد	=	مسلمانانِ غمِ ایماں ضرورست
کار ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد	[illegible]	مرغِ بسمل شدہ را ہم سرِ پروازے ہست
دم جاں پرورِ او ہر چہ کہ دارد دانم	=	از ادب گرچہ نگویم کہ اعجازے ہست
دُردی کشاں چو سوئے خرابات رو کنند	=	اوّل بآبِ چشمۂ حیواں۔ وضو کنند
صد پردہ۔ بروے دوست بستند	=	زان جملہ۔ یکے۔ جمال باشد
جز من زبانِ قتل۔ بقاتل دعا کہ کرد ؟	=	گو مزد سہل بود۔ ولیکن ادا کہ کرد ؟
پہلوے غیر بہ بزمش نکنم جاے کہ نیست	[illegible]	چشم آنم کہ نگاہِ غلط انداز کند

فریاد ز تقوے کہ بنزدش نتواں رفت	عاشقانہ	آہ! از روشِ او کہ سرِ بام ندارد
فتنہ را از قدِ رعنائے تو امداد رسد	=	چرخ را از نگہتِ نسخہ بہ بیداد رسد
طبعِ چالاکِ ترا۔ می بسرِ خشم آورد	=	آہ! زاں لحظہ کہ آتش بکفِ باد رسد

گر بستی آں بہاراں۔ جلوہ گل یاد آورد
داغِ غمے گل گردد۔ بلبل بفریاد آورد
خدایا! حشر برپا کن۔ ہنگامے کہ عاشق را
بدل حسرت۔ بگردن دشنہ۔ برلب آفریں باشد

قطعہ

حسرتی! ایں تازہ گل باشد نثارِ دوستی
بو کہ ما را از نسیم کوئے خود یاد آورد
غالب آں رنگیں نوا بلبل کہ ذوقِ نغمہ اش
عندلیبانِ گلستاں را۔ بفریاد آورد
میفروشد رائگاں در کوچۂ پیرِ مغاں
ہر متاعے را کہ دل از کوئے زہاد آورد

روزِ وصال ناز بمعشوقہ می کنم — آرے چنیں کند کہ بدولت گدا رسد

یہاں منتہائے عشق سے خبر دی ہے کہ حبیب عاشق درجۂ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

جز حسرتی بپایۂ اوبیش نمی رسد		در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسد؟
بیا و طاعتِ مقبول را ابیغما بر		خلل بکار دعا ہائے مستجاب انداز
گرت ہواست کہ چوں حسرتی نوا سنجی		بزیرِ شاخِ گلے۔ در قدح شراب انداز
چو یادِ دوست کنی۔ غیر را فراموش کن		چو نامِ عشق بری از سرِ نشاں برخیز
براں سرم کہ زہر نیک و بد کنارہ کنم		خورم شراب و رخِ نیکواں نظارہ کنم
بُتِ ہوائے مرا شیخ صومعہ بشکست		بیا کہ خدمتِ رندِ شراب خوارہ کنم

رند - اصطلاح صوفیہ میں ارباب فقر و فنا کو کہتے ہیں۔

شوقِ صد منصور را در جلوہ گاہ یار بُرد	حسرتی	ما ہماں زرینہ فالِ سبحۂ صد دانہ ایم
حسرتی بعشقِ مجازی را حقیقی کردہ ایم	〃	با ہوا نا آشنا و از ہوس بیگانہ ایم
باز م از رشک میاز ار کہ در محفلِ تو	〃	خویش را دوش بصد حیلہ و فن آوردم
مرا بخشید وگا ہے جز بدی نیکی ندید از من	[illegible]	نمیدانم۔ کدا میں جرم۔ ایزد برگزید از من
از پیشِ من رود بشتابی کہ فی المثل	حسرتی	یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا بر آمدہ

از مردنِ خود نیست غم۔ امّا غمِ اینست	[illegible]	گویند کہ معشوق تو اعجاز ندانست
اگرچہ حسرتی! از اہلِ زہد و پرہیزم	=	ولے ز شاہدو مے نیز احترازم نیست
از پئے صیدِ تو۔ صد دام بہر جائے ہست	[illegible]	جرمِ من چیست؟ مرا نیز تمنائے ہست
سحری بود طلب وعدہ واثق فرمود	=	می شناسد کہ کراحدِ تقاضائے ہست
جائے من تنگ۔ بہرجا ز رسوائیِ من	[illegible]	جز خرابات کہ آنجا ہمہ را جائے ہست مجلس ارباب نقر سے مراد ہے

قطعہ

ضیمے۔ صبح برامد بتفرج ز کنشت	[illegible]	ببرِ وقت من افتاد گزارے سرِ کشت
گفتمش کیستی؟ اینجا بچہ کار آمدہ		اے رخ و طرۂ تو سنبل و ریحان بہشت
گفت۔ دارم سخنی چند بپرسش در خور		خوب و رد ہرچہ آمدہ کمتر از زشت؟
گفتم۔ ایں سرِ ملوک است۔ بدینہا مگر اے		گفت سنجیدہ شمر دی سخن ای نیک سرشت
گفت۔ رمزے است خرد سوز کہ دارد بیتاب		التہاب شررا و جگرِ خستہ برشت
بر سرِ مورِ ضعیف اینہمہ بار از چہ نہاد؟		گفتمش زانکہ دلِ خود بمحبت بسرشت
گفت من ہم سخنِ نادرہ گفتن خواہم		گرچہ طبع تو بگیتی سخنِ نغز نہشت
لطفِ او مومن و کافر نگزارد محروم		پرتو رو بہ حرم۔ نگہت گیسو بہ کنشت

دوش ایں طرفہ غزل خاطرِ من انشا کرد
حسرتی - خامہ و آمہ طلبید و بنوشت

مقابلہ و موازنہ کلام حسرتی - با کلام شعرائے دیگر

حسرتی

روے تو بسکہ بود پیش نظر ہر ساعت
می تواں دید مثالِ تو در آئینۂ ما

از پے جلوۂ شوخی کہ پری عاجز اوست
شوق شوخیِ پری داشتہ در سینۂ ما

داغ صہبائے ریا - رونقِ پشمینۂ ما
مے در آدینہ بہ از طاعتِ آدینۂ ما

در حریمِ دلِ اصحابِ صفا - جا داریم
وائے آنکس کہ بود در دلِ او کینۂ ما

کار ساقی و مغنّی ہمہ می کرد - حبیب
حسرتی بود چہ خوش صحبتِ دوشینۂ ما

غالب

محو کن نقشِ دوئی از ورقِ سینۂ ما
اے ز آہت الف صیقلِ آئینۂ ما

وقف تاراجِ غمِ تست - چہ پیدا چہ نہاں
ہمچو رنگ از رخِ ما رفت - دل از سینۂ ما

عرصہ بر الفتِ اغیار چہ تنگ آمدہ است
خوش فرو رفتہ مطبیعِ تو خوشا کینۂ ما

غالب امشب ہمہ از دیدہ چکیدن دارد
خون دل بود مگر - بادۂ دوشینۂ ما

نظیری

آنکہ بر مار قمِ کیں زدہ از کینۂ ما — نقشِ آئینۂ خود دید در آئینۂ ما

عیدِ نوروز بود مکتبِ مارا ہر روز — بحبت گزر و سینہ د آدینۂ ما

زاں زراہے کہ بدنبالۂ چشمت رسید — خوں فرو میچکد از خرقۂ پشمینۂ ما

طرفہ شورِ سحر از سینہ نظیری برخاست — ساخت کارِ ہمہ را گریۂ دوشینۂ ما

حسرتی

امشب کم از قیامت ہنگامہ ندیدم — فردا مگر بہ بینم - دیدارِ آشنا را

در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی — آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را

بے مستیِ شبانہ لطفِ صبوح نبود — پیرِ مغاں سحرگہ این نکتہ گفت مارا

نظیری

در پردہ رہ ندادند وقتِ سخن صبا را — من نیک می شناسم - پیغامِ آشنا را

با فقرِ تنگدستی شو مستِ عجب دستی — در کشورِ غیوراں - نخوت کُشد گدا را

حسرتی

بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشاں است — کسے نداد تسلی - دلِ زلیخا را

مریدِ پیرِ مغاں شو - کہ از اطاعتِ او — گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را

عجب نہ نرگسِ مخمورِ اوست خود داری — حجاب و شرم کجا مستِ بے محابا را
ہزار شکوۂ تلخ مرا فرو بُردی — بجانِ من ز کہ آموختی مدارا را

نظیری

دراں نظارہ کہ بر تیغ و کف شعور نبود — ز رشک سوختہ بود آگہی زلیخا را
گر از ورع بگدا۔ زاہداں قدح ندہند — چہ مانع است حریفانِ بادہ پیما را
گذشت شوق ز اندازہ۔ گوشۂ نظری — کہ مے خموش کند۔ مستِ بے محابا را
نوازش عرضِ کرم می کند محبت نیست — تواں شناختن از دوستی مدارا را

حسرتی

اگر زاں طرۂ مشکیں صبا بو آورد ما را — بہ رم صد خرمنِ گل نذر سر ہند و بخارا را
فلاطون فطنتاں از رازِ گیتی بیخبر رفتند — حکیمِ معنوی باید۔ کشادِ ایں معما را

حافظ شیرازیؒ

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را — بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

حسرتی

اُفتاد رشحہ از لبِ ساقی بجامِ ما — مستی نمیرسد بخمارِ دوامِ ما

ساقی بباده - جادهٔ ما را نشاں دہد		مطرب بنغمہ باز نماید مقامِ ما
نے دام خوش - نہ دانہ خوش - اماز اتفاق		ہر بار شاہباز در افتد بدامِ ما

نظیری

مستی ربوده از کفِ ہستی زمامِ ما		مطرب نمی دہد خبرے از مقامِ ما
خرمن بباد رفت دریں دشتِ پُر فریب		مرغے نسود گوشہ بالے - بدامِ ما

حافظ شیرازی رح

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیده ایم		ای بیخبر از لذّتِ شربِ مدامِ ما

حسرتی

جاں بتن میدمد - ترانۂ ما		غم ز دل می برد فسانۂ ما
دیگرم نیست داوری باچرخ		گر ترا - آورد بخانۂ ما
حرفِ شیریں شود فراموشش	[illegible]	خسروار بشنود فسانۂ ما
کبکِ کہسار و - بلبلِ گلزار		گوش دارند بر ترانۂ ما
دیں فروشانِ - خانہ بردوشیم		دلق و دستار ماست - خانۂ ما

حسرتی

کام در نجش آمده از عشق مجوے		عیش مخصوص بکفر ست ز ایماں مطلب

نظیری

فرض و سنت بتماشاے تو از یاد م رفت
پردہ بر روے فگن ۔ از من ایمان مطلب

حسرتی

ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب
بہارِ قدرتِ صانع چو دیدنی ست مخسپ

دمِ صلوٰۃ و صبوحی ست حسرتی برخیز
بہ نعمتِ دو جہاں گر رسیدنی ست مخسپ

غالب

نشانِ زندگیِ دل دویدنی ست بایست
جلاے آئینۂ چشم ۔ دیدنی ست مخسپ

بہ ذکرِ مرگ شبے ۔ زندہ داشتن ذوقے ست
گرت فسانۂ غالب شنیدنی ست مخسپ

حسرتی

ہمانکہ منعِ من از بادہ مے نمود مدام
شبش بہ میکدہ دیدم کہ غافل افتادہ است

دلت بحسنِ بتاں از چہ مائل افتادہ است
بغیرِ ہستیِ حق ۔ ہر چہ باطل افتادہ است

بشب چو مہر بیاید ۔ سحر چو با درود
فغاں کہ مہر مرا ۔ برق حاصل افتادہ است

ہر آنکہ یافت ز اہلِ صفا نظر داند
کہ انکشافِ حقیقت ۔ چہ مشکل افتادہ است

دعا بکعبہ پذیرند ۔ لیک حیرانم
امیدوار ز میخانہ ۔ سائل افتادہ است

خرد زمانہ بشرحِ کمالِ نقصانش
کہ حسرتی بفنِ خویش کامل افتادہ است

نظیری

شکستہ بر ورقِ جبہہ تو خامہ حکیم — کہ ابروانِ ترا عقدہ مشکل افتادہ است

یکے بگو بغریبانِ شہر سیری کن — ببین کہ نقشِ امل ہا چہ باطل افتادہ است

گدائے پیرِ مغاں شو کہ بادشاہ و فقیر — بر آستانہ میخانہ سائل افتادہ است

غالب

زمن گسستی و پیوند مشکل افتادہ است — مرا بگیر بخونے کہ در دل افتادہ است

حسرتی

چہ خوش است! با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن — درِ خانہ بند کردن، سرِ شیشہ باز کردن

تو و رقص و مے پرستی من و وجد و جوشِ مستی — تو و نغمہ ہائے دلکش من و نالہ ساز کردن

سرِ من فدائے نازت ز عدو دگر چہ خواہی — تو و عشوہ ساز کردن من و دل نیاز کردن

دلِ زاہداں بتحاں بنہفتہ حسرتی خور — تو اگر نمی توانی ز مے احتزاز کردن

[illegible]

چہ خوش است از دو یکدل سرِ حرف باز کردن — سخنِ گذشتہ گفتن گلہ را دراز کردن

تو اگر بجور سوزی ز جفا کشاں نیاید — بجز از دعائے جانت ز سرِ نیاز کردن

بچناں گرفتہ جا ہمی بجانِ شیریں — کہ تواں ترا و جاں را ز ہم امتیاز کردن

ز خمارِ مے ندارم سرِ و برگِ سجدہ و بیت — دلِ خاطرِ پریشاں نتواں نماز کردن

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

غالب

چو غم ار بہ بدگرفتی ز من احتراز کردن
نتواں گرفت از من بگزشتہ ناز کردن

تو و در کنارِ شوقم گرہ از جبیں کشودن
من و سرزنخ دو عالم در دل فراز کردن

بفشار رشکِ بہت بچکاں گداخت گلشن
کہ میانۂ گل و بل رسد امتیاز کردن

ہلہ تا زہ گشتہ لب غار وشِ نظیری از تو
سزد ار چنیں غزل را بسفینہ ساز کردن

حسرتی

تا کجا بر طمعِ وصل شکر خند کنی
عشق آمیختۂ زہر ہوس چند کنی

بندہ را نیست بمیلانِ طبیعت کاری
کارہا بر نمطِ امرِ خداوند کنی

ای محبت ز تو خوش بوالعجبی ہا آمد
طفل را فتنۂ پیرانِ خردمند کنی

سعی در کار نما و بہ جہاں کار مدار
دو جہاں از تو اگر کار بآں بند کنی

نظیری

بہتر از صحبتِ اربابِ خرد بگزینی
ترکِ ہم بزمیِ پرشور و سرِ چند کنی

خجل از کردۂ خود تا نشوی می باید
حلم را بر غضب و خشمِ خداوند کنی

طبعِ نادانِ سبکسار نگیرے ہرگز
وزنِ خود راست بمیزانِ خردمند کنی

ہم نے سطور بالا میں غالبؔ، نظیریؔ اور حافظؔ شیرازی کی چند ہم طرح غزلوں کو حسرتؔ کے کلام کے مقابلہ میں صرف اس خیال سے پیش کیا ہی کہ نکتہ رس طبائع مختلف شعرا کی جولانیٔ طبع کو ایک ہی زمین میں دیکھکر لطف حاصل کریں اور ارباب ذوقِ سلیم موازنہ کریں کہ سب سے پچھلا سخنور جو میدان سخن میں آیا ہے اُس نے اپنے متقدمین کی روش کو کس درجہ ترقی دی ہی اور باوجود ہندوستانی نژاد ہونے کے فارسی زبان پر اُس کو کس قدر قدرت حاصل ہی۔ فقط

تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواہاں ہوئے کو باغ تنزہ شمیم کا
یارب ادھر بھی بھیجدے جھوکا نسیم کا

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دونیم کا

نیرنگ جلوہ بارقۂ ہوش سوز ہے
کیا امتیاز رنگ سے کیجے شمیم کا

تیری نسیمِ لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خللِ آگیں حکیم کا

دقّت سے پہلے عجز سلامت کی راہ ہی
کیسا سپاسدار ہوں عقلِ سلیم کا

میری فنا ہے مشعلۂ محفلِ بقا
پروانہ ہوں میں پرتوِ شمعِ قدیم کا

گر تیرے شوق میں ہیں یہی بیقراریاں
لے لوں گا بوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا

طاعت اگر نہیں تو نہو یاس کس لیے
وابستہ سبب ہے کرم کب کریم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوّارہ جناں ہو زبانہ جحیم کا

اے شیفتہ عذابِ جہنّم سے کیا مجھے
میں امتّی ہوں نار و جناں کی قسیم کا

یہ فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا
آخر غلام ہوں میں تمھارا قدیم کا

پیمان ترکِ جاہ لیا پیر دیر نے
پیمانہ دیکے بادۂ عنبر شمیم کا

کیا ڈھونڈھتی ہی قوم کہ آنکھوں میں قوم کی
خلدِ بریں ہے طبقۂ اسفل جحیم کا

اس شوخ کج ادا سے نہ آئی موافقت
کیونکر گلہ نہو مجھے طبعِ سلیم کا

شکوے یہ اب جو ہوتے ہیں یا ہم نہیں نہیں
انداز ہم میں اُن میں یہی ہی قدیم کا

اُس وقت ہم گنے گئے احباب خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عمیم کا

بدمستیاں کبھی کبھی مستوری و عفاف
دستور ہے طبیعتِ نامستقیم کا

اُس رشکِ گل کی بسترِ گل سے ہی احتراز
ممنون ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا

اے جانِ بیقرار ذرا صبر چاہیے
بیشک ادھر بھی آئے گا جھوکا نسیم کا

جسکی سرشت صاف نہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیو رجیم کا

اب جستجو ہی اُن کو ہماری تو کیا حصول
باقی نہیں اثر بھی عظامِ رمیم کا

عاشق بھی ہم ہوئے تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا

ہم نے کیئے قواعدِ وحشت جو منضبط
اہلِ جنوں میں ہمکو لقب ہی حکیم کا

ہی کارنامہ جب سے بیاض اپنی شیفتہ
تقویم سال رفتہ ہے دیوان کلیم کا

جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا
کچھ اور رنگ ڈھنگ ہوا کائنات کا

شیشہ اُتار شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا

لڑتے ہو جب رقیب سے کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق یہاں نہیں کوئی اس التفات کا

گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر مرتے دم
پانی ہو خشک چشمۂ آب حیات کا

یہاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالم شہود ہے آئینہ ذات کا

کہتے ہیں جان جانتے ہیں بیوفا مجھے
کیا اعتبار ہے اُنھیں دشمن کی بات کا

واعظ جنون رندوں سے نہیں باز پرس حشر
بس آپ فکر کیجئے اپنی نجات کا

جوش سرشک خوں کے سبب سے دم رقم
نامہ نہیں رہا یہ ورق ہے برات کا

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

ایسے کے آگے شیفتہ کیا چل سکے جہاں
احسان ایک عمر ہے ایک رات کا

کیا فائدہ نصیحت ناسودمند کا
کیا خوب پند گو بھی ہے محتاج پند کا

جب میں نہیں پسند تو پھر اور آ چکی
عاشق ہوں اُسکی خاطر مشکل پسند کا

اے بادِ صبح تا بہ کجا اہتزازِ گل
گوشہ اُلٹ دے یار کے منہ سے پرند کا

اُس ماہ وش کو غیر سیہ رو سے کام کیا
ہی فیض اپنے اخترِ بختِ نژند کا

اُس کوچہ میں ہی عزت خسرو گدا سے کم
کیوں ناز مستمند سہی ارجمند کا

نالہ تو نارسا نہیں کیونکر گلہ کروں
ہیں شکوہ سنج ہوں ہتیرے کاخِ بلند کا

دیوان کو ہمارے بتوں کی نگاہ میں
اے **شیفتہ** وہ رتبہ ہی جو بید و زند کا

کچھ انتظار مجھکو نہ می کا نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا

لگتے نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژہ نیم باز کا

دشمن پئے صبوح جگاتے ہیں یار کو
یہ وقت ہی نسیم سحر اہتزاز کا

ایمن ہیں اہلِ جذبہ کہ رہبر ہی اُنکے ساتھ
سالک کو ہی خیال نشیب و فراز کا

پھنسنے کے بعد بھی ہے وہی دلشگفتگی
کیا خوب جال ہے نگہ جاں نواز کا

تقوی مرا شعار ہی عصمت سرشت دوست
پھر مجھسے کونسا ہی سبب احتراز کا

بارے عجیب بات تو پھیلی جہان میں
پایا کسی نے گو ثمر افشائے راز کا

ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہو امتیاز کا

پیرِ مغاں نے رات کو وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان بھی حسنِ مجاز کا

دیتا ہے داغ رشک پرندِ سپہر کو
جلوہ تمہاری معجزِ گوہر طراز کا

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہی
مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ اَمل جواب ہی زلفِ دراز کا

جورِ اجل کو شوخیٔ بیجا کہا کیا
تھا محو شیفتہ جو کسی مستِ ناز کا

نہ اس زمانہ میں چرچا ہی دانش و دیں کا
نہ شوق شعرِ تر و بذلہ ہائے رنگیں کا

شمیمِ زلف ہی ہی تو وحشتِ دل نے
کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا

بنات نعش نے کس سطے وا اٹھا رکھیں
نہیں ستارہ گھر خاندان پرویں کا

ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو سمجھے تھے
کہ مشتری نہیں اس گوہرِ نو آئیں کا

تماشا ہی نہایت خلاف شیوۂ عشق
غلط ہی شوق ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا

وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے
نہ رنگ بھی متغیّر ہوا اہلِ تمکیں کا

ہزار مرتبہ فرہاد جان شیریں دے
وہی ہی حق نمکِ عشوہ ہائے شیریں کا

عجیب حال میں ہی شیفتہ معاف کرو
جو کچھ قصور بھی ہو اس غلامِ دیریں کا

ہائے اُس سوزِ نہانسوز پہ آنا دل کا
سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا

ہی تیرا سلسلۂ زلف بھی کتنا دلبند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سُنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

ہمسے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہی عمر
کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

عاقبت چاہِ ذقن میں خبر اُس کی پائی
مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا

کس طرح دردِ محبت میں جتاؤں اُس کو
بھید لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں دانا دل کا

ہم یہ سمجھے تھے کہ آرام سے تم رکھوگے
لائیے تمکو ہی منظور ستانا دل کا

ہم بھی کیا سادے ہیں کیا کیا ہیں توقع اُس سے
آجتک جس نے ذرا حال نہ جانا دل کا

جلوہ گاہ غم و شادی دل و شادی کمیاب
کیوں نہو شکوہ سرا ایک زمانا دل کا

شکل مانند پری اور یہ افسون وفا
آدمی کا نہیں مقدور بچانا دل کا

شیفتہ ضبط کرو ایسی ہی کیا بیتابی
جو کوئی ہو تمہیں احوال سُنانا دل کا

ہم پر ہے التفات ہمارے حبیب کا
گیرا اگر نہیں ہی نفس عندلیب کا

اب وہ ہی جلوہ ریز لباسِ یاس میں
جو عہد کودکی میں گلہ تھا ادیب کا

اچھا جو اس کو سونگھے تو آجائے اُسکو غش
اچھا اثر ہے زلفِ معنبر کی طیب کا

تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا چلے
کوچے سے تیرے پاؤں نہ اُٹھے غریب کا

مصروف ہی بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طبیب کا

تسلیم سے وفا و رضا سے ہی اتفاق
نے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے نصیب کا

ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں کیا کریں
اُس بزم میں ہی دخل سراسر رقیب کا

ہوجائے کاسہ لیس شگرفانِ میکدہ
جسکو کہ اشتیاق ہی حالِ عجیب کا

سنتے ہی نام دشمنِ صد سالہ ہو گیا
پوچھا جو مجھ سے نام کسی نے حبیب کا

اُس رشک گل نے لی ہی جو بلبل تو **شیفتہ**
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

محو ہوں میں جو اُس ستمگر کا
ہے گلہ اپنے حالِ ابتر کا

حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
رگِ بسمل ہے تارِ مسطر کا

آنکھ پھرتے سے تیرے مجھکو ہوا
گردشِ دہر دورِ ساغر کا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب
کام یہاں کیا ہے دامنِ تر کا

شوق کو آج بیقراری ہے
اور وعدہ ہے روزِ محشر کا

نقش تسخیر غیر کو اُس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اُسی ستمگر کا

اُس نے عاشق لکھا عدو کو لقب
ہائے لکھا مرے مقدر کا

آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہے خیال کس گھر کا

سب حوصلہ جو صرف ہوا جورِ یار کا
مجھ پر گلہ رہا ستمِ روزگار کا

تھا کیا ہجوم پھر نہ یا رب ہزار کا
گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پہ اے یارِ دلشکن
کچھ بھی خیال ہے دلِ امیدوار کا

کھلنے لگے ہیں از سرِ نو غنچہائے زخم
یہ فیض ہے صبا کی دمِ مشکبار کا

گر چاہتے ہو جامہ نہ ہو چاک ناصحو
منگوا دو پیرہن مجھے اُس گلعذار کا

ہر کوچہ میں کھلی ہے جو دُکانِ مے فروش
کیا فضل ہے شراب کی موسمِ بہار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے تھم گئے
اب کیا کروں علاج دلِ بیقرار کا

آزاد ہے عذاب دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیر سلسلۂ تابدار کا

اُس بزم میں ہر چیز سے کمتر نظر آیا
وہ حسن کہ خورشید کے عہدے سے بر آیا

بیفائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا
اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا

کچھ دور نہیں اُن سے کہ نیرنج بتا دیں
کیا فائدہ گر آنکھ سے لختِ جگر آیا

گو کچھ نہ کہا پر ہوئے دل میں متاثر
شکوہ جو زباں پر مری آشفتہ تر آیا

بے طاقتیٔ شوق سے میں اُٹھ ہی چکا تھا
ناگاہ وہ بیتاب مری قبر پر آیا

بے قدر ہے مفلس شجرِ خشک کی مانند
یہاں درہم و دینار میں برگ و ثمر آیا

حالِ دلِ صد چاک پہ کٹتا ہے کلیجا
ہر پارہ اک الماس کا ٹکڑا نظر آیا

دیکھے کہ جدائی میں ہے کیا حال وہ بدظن
اس واسطے شب گھر میں مرے بے خبر آیا

کیا دیر ہے اے ساقیٔ گلفام سحر ہے
کیا عذر ہے اے زاہدِ خشک ابر تر آیا

روداد میں ہیں شیفتہ کے مختلف اقوال
پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

جب رقیبوں کا ستم یاد آیا
کچھ تمہارا بھی کرم یاد آیا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

نہ لکھا خط کہ خطِ پیشانی
مجھکو ہنگامِ رقم یاد آیا

شعلۂ زخم سے اے صید فگن
داغ آہوئے حرم یاد آیا

ٹھہرے کیا دل کہ تری شوخی سے
اضطرابِ پئے صنم یاد آیا

خوبیٔ بخت کہ پیمانِ عدو
اُس کو ہنگامِ قسم یاد آیا

کُھل گئی غیر سے الفت اُسکی
جامِ مے سے مجھے جم یاد آیا

وہ مرا دل ہے کہ خود بینوں کو
دیکھ کر آئینہ کم یاد آیا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

ایسے خود رفتہ ہوئے شیفتہ کیوں
کہیں اُس شوخ کا رم یاد آیا

قبر پہ وہ بت گلفام آیا
بارے مرنا تو مرے کام آیا

دو قدم یہاں سے وہ کوچہ ہی مگر
نامہ بر صبح گیا شام آیا

مر گئے پر نہ گیا رنج کہ وہ
گور پر آئے تو آرام آیا

خیر باد اے ہوس کام کہ اب
دل میں شوقِ بت خودکام آیا

شمع کی طرح اُٹھے ہم بھی جب
دشمنِ تیرہ سر انجام آیا

جب مری آہ فلک پر پہنچی
تب وہ مغرور سرِ بام آیا

جلد منگواؤ شرابِ گلرنگ
شیفتہ ساقیٔ گلفام آیا

اُس سے میں شکوہ کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

تیرے سے اُٹھ کے بھی دھیان مکرر آیا
وہ تو آئے نہیں پر آپ میں کیونکر آیا

وعدہ کس شخص کا اور وہ بھی نہایت کچا
ہم بھی کیا خوب ہیں سچ مچ ہمیں باور آیا

مجھ سے وہ صلح کو اس شان سے آئے گویا
جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا

جذبۂ شوق کی تاثیر اسے کہتے ہیں
سن کے قاصد کی خبر آپ ہی در پر آیا

خاک ہونے کا مرے ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اس بزم سے کچھ غیر مکدر آیا

اُڑ گئے ہوش کہ پیغام اجل ہی یہ جواب
کوچۂ یار سے زخمی جو کبوتر آیا

دلِ صد چاک میں ہی کاکلِ مشکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو معطر آیا

اے اجل نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہلِ ماتم ہیں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا

اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھکو
کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

آپ مرتے تو نہیں جیتے ہی بن آئے گی
شیفتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

داستاں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح بلبل کی روش ہمدم افغاں دیکھا

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا

ہم نے کیا جانئے کس ذوق سے دی جاں دمِ قتل
کہ بہت اس سے ستمگر کو پشیماں دیکھا

نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنے گلے پر دیکھیں
یوں تو سو بار ترا خنجرِ براں دیکھا

اس طرف کو بھی نگہ تا سرِ مژگاں آئی
باری کچھ کچھ اثرِ گریۂ پنہاں دیکھا

پانی پانی ہوئے مرقد پہ مری آ کے وہ جب
شمع کو نعش پہ پروانہ کی گریاں دیکھا

قطعہ

غم غلط کرنے کو احباب ہمیں جانب باغ
لیگئے گل تو عجب رنگ گلستاں دیکھا

غورہ میں خاصیت اخگرِ سوزاں پائی
نسترن میں اثرِ خارِ مغیلاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
جسکو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا

کون کہتا ہے کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر
جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شبِ ہجراں دیکھا

شیفتہ زلف پریرو کا پڑا سایہ کہیں
میں نے جب آپکو دیکھا تو پریشاں دیکھا

جفا و جور کا اُس سے گلا کیا
جو پوچھے مہربانی کیا وفا کیا

وہ بے پروا جوابِ نامہ لکھے
خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا

دیا کیوں ہم نے اُس بدخو پہ عاشق
ہمارا دوست کوئی بھی نہ تھا کیا

شمیمِ گل میں بوئے پیرہن ہے
غلط ہے یہ کہ احسانِ صبا کیا

نہ لکھنا تھا غمِ ناکامیٔ عشق
جوابِ نامہ نے مدعا کیا

ہمیں تھا آپ قصدِ عرضِ احوال
جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا

تماشا ہے جلے گر خانۂ غیر
وہ کہتے ہیں کہ آہِ شعلہ زا کیا

فنائے عاشقاں عینِ بقا ہے
دیت زندوں کی کیسے خوں بہا کیا

اگر ہی بوالہوس تو قتل کر چکے | عدو سے وہ وعدۂ شوق آزما کیا

قطعہ

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز | تلون سے ہی تمکو مدعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں | کبھی بیوجہ غیروں سے وفا کیا
کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں | کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفریں کیوں | کبھی الطاف جرأت آزما کیا
کبھی وہ طعنہ ہائے جانگزا کیوں | کبھی یہ غمزہ ہائے جانفزا کیا
کبھی شعروں سے میری نغمہ سازی | کبھی کہنا کہ یہ تمنے کہا کیا
کبھی سنے جرم یہ آزردہ ہونا | کہ کیا تقصیر تھا جو پوچھوں میں خطا کیا
کبھی اس دشمنی پر بھی نسکیں | پئے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا
یہ سب طول اس نے سنکر بے تکلف | جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

وہ پریوش عشق کے افسوں سے مائل ہو گیا | منت میں مشہور ہیں لوگوں میں عامل ہو گیا
میں نہیں فرہاد وہ خسرو نہیں پھر کیا سبب | غیر کا مائل جو وہ شیریں شمائل ہو گیا

اشکباری ہمکناری کی ہوس میں رات تھی
قلزمِ گریہ کو اُسکا دھیان ساحل ہو گیا

زخم میرے خنجرِ تجویز تھے اغیار کو
بیوفائی سے خجل کسوقت قاتل ہو گیا

اہلِ وحشت کو مری شورش سے لازم ہی خطر
میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا

رشکِ خسرو لے تصرف نازِ شیریں نے اثر
سینۂ فرہاد مثلِ بے ستوں سِل ہو گیا

ہی خراشِ ناخنِ غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقۂ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا

اُس کے اُٹھتے ہی یہ ہلچل پڑ گئی بزم میں
طورِ روزِ حشر سب کو طورِ محفل ہو گیا

ہوش تو دیکھو کہ سُنکر میری وحشت کی خبر
چھوڑ کر دیوانہ پن کو قیس عاقل ہو گیا

ہاتھ اُٹھایا اُس نے قتلِ بیگنہ سے میرے بعد
طالعِ اغیار سے جلاد عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے مٹایا کفر کو
تیرے آگے نقشِ مانی نقشِ باطل ہو گیا

میرے مرتے دم جو رویا وہ بڑی تسخیر تھی
آبِ چشمِ یار آبِ چاہِ بابل ہو گیا

ہی عدم میں بھی تلاشِ سرمہ و مشک و نمک
شیفتہ تیغِ نگہ سے کس کی گھائل ہو گیا

یار کو محرومِ تماشا کیا
مرگِ مفاجات نے یہ کیا کیا

آپ ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا

عرضِ تمنا سے رہا بیقرار	شب وہ مجھے میں اُسے چھیڑا کیا
سرد ہوا دل وہ ہی غیروں سے گرم	شعلہ نے اُلٹا مجھے ٹھنڈا کیا
مہرِ قمر کا ہی اب اُن کو گماں	آہ فلک سیر نے یہ کیا کیا
اُنکو محبت ہی میں شک پڑ گیا	ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا
دیکھیے اب کون ملے خاک میں	یار نے گردوں سے کچھ ایما کیا
حسرتِ آغوش ہے کیوں ہمکنار	غیر سے کب اُس نے کنارا کیا
چشمِ عنایت سے بچی جان مجھے	نرگسِ بیمار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب **شیفتہ**
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

اُس جنبشِ ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا	دل گوشت ہی ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا
کچھ تو ہی اثر کر ترے قربان خموشی	نالوں سے تو کچھ کام مرا ہو نہیں سکتا
گر غیر بھی ہو وقفِ ستم تو ہے مسلم	کچھ تم سے بجز جور و جفا ہو نہیں سکتا
کھولے گرہ دل کو ترا ناخنِ شمشیر	یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا
شیفتہ ہو تجھے راہ میں اُس کوچہ کی مجھ پر	زنہار یہ اے راہ نما ہو نہیں سکتا
میں نے جو کہا ہمدمِ اغیار نہ ہوجے	تو چیں بجبیں ہوکے کہا ہو نہیں سکتا

یہ رازِ محبت ہے نہ افسانۂ بلبل
محرم ہو مری بادِ صبا ہو نہیں سکتا

کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے خفا ہے تو اُسے یہ بھی ہے زیبا
پر شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا

صبح ہوتے ہی گیا گھر مہِ تاباں میرا
پنجۂ خور نے کیا چاک گریباں میرا

گرم گرم اُس رخِ نازک پہ نظر کی کس نے
رشک گلریز ہے کیوں دیدۂ گریاں میرا

وادیٔ نجد کو وحشی سے نہ دینا نسبت
ہے وہ مجنوں کا بیاباں یہ بیاباں میرا

دیکھکر میری طرف ہنسکے کہا یہ دمِ قتل
آج تو دیکھ لیا آپ نے پیماں میرا

نہ گھر آیا نہ جنازہ پہ نہ مرقد پہ کبھی
حیف صد حیف نہ نکلا کوئی ارماں میرا

چارہ ساز وہ کوئی رہتا ہے بجز چاک ہوئے
آپ سو بار سئیں ہیں یہ گریباں میرا

اُسکی زلفوں کا نہ ہو دھیان تو اے شیفتہ پھر
اس شبِ ہجر میں ہے کون نگہباں میرا

گو رہیں یادِ قدِ یار نے سونے نہ دیا
فتنۂ حشر گو رفتار نے سونے نہ دیا

واہ اے طالعِ خفتہ کہ شبِ عیش میں بھی
وہمِ بیخوابیٔ اغیار نے سونے نہ دیا

وا رہیں صورتِ آغوش سحر تک آنکھیں
شوقِ ہمخوابیٔ دلدار نے سونے نہ دیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

طالع خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجے
پاؤں کو بھی خلشِ خار نے سونے نہ دیا

دردِ دل سے جو کہا نیند نہ آئی تو کہا
مجھکو کب نرگسِ بیمار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجراں یہ کہا قصۂ گیسوئے دراز
شیفتہ تو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

آج ہی کیا آگ ہی سرگرم کیں تو کب نہ تھا
شمع ساں مجبور خوئے آتشیں تو کب نہ تھا

آج ہی دعویٰ ہی کیا تجھکو بتانِ دہر سے
غیرتِ غلمان و رشکِ حورِ عیں تو کب نہ تھا

آج ہی ہر بات پر بیوجہ کیا رکتا ہے تو
اے ستمگر بر سرِ پرخاش و کیں تو کب نہ تھا

آج ہی تیری جگہ کچھ سینۂ و دل میں نہیں
مثل تیرِ غمزۂ ظالم دلنشیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا شرم و شوخی کو ملایا ہے بہم
غیر سے بیباک مجھ سے شرمگیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا ہی فلک پر شکوہ فریادِ خلق
اے ستمگر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے
ای جفا جو درپئے جانِ حزیں تو کب نہ تھا

آج ہی باتیں بنائی یہاں کے آنے میں نہیں
حیلہ گر تو کب نہ تھا عذر آفریں تو کب نہ تھا

آج ہی اُٹھکر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا
مہروش شب کو کہیں دن کو کہیں تو کب نہ تھا

آج ہی ٹیکا لگانے سے لگے کیا چار چاند
نے تکلف بے تکلف مہ جبیں تو کب نہ تھا

آج ہی کچھ ہو نہ جرأت ہے نہیں پروانہ وار
شیفتہ بیتاب ہے رو آتشیں تو کب نہ تھا

میں پریشاں گرد و محفل نشیں تو کب نہ تھا
ہر کہیں کس روز تھا میں گر کہیں تو کب نہ تھا

یہاں سبک حرفِ ملامت واں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا و نازنیں تو کب نہ تھا

ناصح و واعظ کی طعنوں ای صنم ہم کب نہ تھے
آفتِ جان و بلائی عقل و دیں تو کب نہ تھا

انتہا کی بات ہی یہاں ابتدائے عشق ہے
ہم نہ تھے کب عجز گستر خشمگیں تو کب نہ تھا

جستجو میں سرمۂ تسخیر کی ہم کب نہ تھے
چشمِ افسوں ساز سے سحر آفریں تو کب نہ تھا

تجھکو شک الفت میں اپنے ہمکو وہم ربطِ غیر
بدگماں ہم کب نہ تھے اور بے یقیں تو کب نہ تھا

ای شکیبا مضطرب وقفِ ستم ہم کب نہ تھے
بیمروت بیوفا مصروفِ کیں تو کب نہ تھا

تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اُٹھاتے کب نہ تھے
ای ستمگر شیفتہ کا ہمنشیں تو کب نہ تھا

میں وصل میں بھی شیفتہ حسرت طلب رہا
گستاخیوں میں بھی مجھے پاسِ ادب رہا

تغیرِ رخ کی ہے اشارہ وداع کا
یعنی جفا پہ خوگرِ الطاف کب رہا

میں رشک سے چلا تو کہا بے سبب چلا
اس پر جو رہ گیا تو کہا بے سبب رہا

دم بھر بھی غیر پہ نگہ التفات کیوں ہی آ
اک عمر میں ستم کش چشمِ غضب رہا

تھا تپ تو آہ میں بھی اثر جذب دل میں بھی
کیونکر نہ آئے شیفتہ مجھکو عجب رہا

بسکہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

عمر کٹتی ہے تصور میں رخ و کاکل کے
رات دن اور ہی ہے گردش ایام اپنا

وہاں یہ قدغن کہ نہ آواز فغاں بھی پہنچے
یہاں یہ شورش کہ گذارا ہو لب بام اپنا

اس سے نازک کو کہاں گرمی صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکائے طمع خام اپنا

تپش دل کے سبب سے ہے مجھے خواہش مرگ
کون ہے جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا

بادہ نوشی سے ہماری جو لہو خشک ہوا
خون اغیار سے لبریز ہے کیا جام اپنا

لطف سمجھوں تو بجا جور بھی سمجھوں تو درست
تم نے بھیجا ہے مرے پاس جو ہمنام اپنا

ذکر عشاق سے آتی ہے جو غیرت اسکو
آپ عاشق ہے مگر وہ بت خود کام اپنا

تاب بوسہ کی کسی شیفتہ وہ دیں بھی اگر
کر چکے کام یہاں لذت دشنام اپنا

جی داغ غم رشک سے جل جائے تو اچھا
ارمان عدو کا بھی نکل جائے تو اچھا

پروانہ بنا میرے جلانے کو وفادار
محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

کس چین سے نظارہ ہر دم ہو میسر
دل کوچۂ دشمن میں بہل جائے تو اچھا

تم غیر کے قابو سے نکل آؤ تو بہتر
حسرت یہ ہے میرے دل کی نکل جائے تو اچھا

سودا زدہ کہتے ہیں ہو شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا ابھی سنبھل جائے تو اچھا

پلا جام ساقی مے ناب کا
کہ کچھ حظ اٹھے سیر مہتاب کا

دل زار کا ماجرا کیا کہوں
فسانہ ہے مشہور سیماب کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے
غلط شوق ہے جنس نایاب کا

نکیجو غل اے خوشنوایان صبح
یہ ہے وقت انکے شکر خواب کا

محبت نہ ہرگز جتائی گئی
رہا ذکر گل اور رہ باب کا

دم سرد سے لا نہ طوفان باد
نہ سن ماجرا چشم پر آب کا

وہاں بیخودونکی خبر کون لے
جہاں شغل ہو بادہ ناب کا

وہاں تیرہ روزونکی پروا کسے
جہاں شوق ہو سیر مہتاب کا

بہ تشخیص شخصی بھی جاتی رہی
کنارا الٹتے ہی جلباب کا

میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں
جفا میں نہیں دخل اسباب کا

پڑے صبر آرام کی جان پر
مری جان نے صبر بیتاب کا

لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی
ہوا ہیں ہے کچھ رنگ عناب کا

نہ کرنا خطا پر نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہی احباب کا

تقلید عدو سے ہمیں ابرام نہوگا
ہم خاص نہیں اور کرم عام نہوگا

صیاد کا دل اس سے پگھلنا متعذر
جو نالہ کہ آتش فگن دام نہوگا

جس سے ہی مجھے ربط وہ ہی کون کہاں ہے
الزام کے دینے سے تو الزام نہوگا

بیداد وہ اور اس پہ وفا یہ کوئی مجھ سا
مجبور ہوا ای دلِ خود کام نہوگا

وہ غیر کے گھر نغمہ سرا ہونگے مگر کب
جب ہم سے کوئی نالہ سرانجام نہوگا

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہوگا

قاصد کو کیا قتل کبوتر کو کیا ذبح
لیجاے مرا اب کوئی پیغام نہوگا

جب پردہ اٹھا تب ہی عدو دوست کہاں تک
آزارِ عدو سے مجھے آرام نہوگا

یہاں جیتے ہیں امیدِ شبِ وصل پہ اور وہاں
ہر صبح توقع ہے کہ تا شام نہوگا

قاصد ہے عبث منتظرِ وقت کہاں وقت
کس وقت انھیں شغلِ مئے و جام نہوگا

دشمن پسِ دشنام بھی ہی طالبِ بوسہ
محوِ اثرِ لذّتِ دشنام نہوگا

رخصت بس اب ای نالہ کہ یہاں ٹھہر چکی ہی
نالہ نہیں جو آفتِ اجرام نہوگا

برق آئینۂ فرصتِ گلزار ہے اس پر
آئینہ نہ دیکھے کوئی گلفام نہوگا

اے اہل نظر ذرہ میں پوشیدہ ہی خورشید
ایضاح سے حاصل بجز ابہام نہو گا

اس ناز و تغافل میں ہی قاصد کی خرابی
بیچارہ کبھی لائق انعام نہو گا

اُس بزم کے چلنے میں ہو تم کیوں متردد
کیا **شیفتہ** کچھ آپ کا اکرام نہو گا

دیکھوں تو کہاں تک وہ تلطف نہیں کرتا
آرے سے اگر چیرے تو میں اُف نہیں کرتا

تم دیتے ہو تکلیف مجھے ہوتی ہی راحت
سچ جانیے میں اسمیں تکلف نہیں کرتا

سب باتیں اُنھیں کی ہیں سچ ہو لیو قاصد
کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا

سو خوف کی ہو جائے مگر رند نظر باز
دل جلوہ گہہ لانشف وشف نہیں کرتا

شوخی سے کسی طرح سے چین اُسکو نہیں ہی
آتا ہی مگر آکے توقف نہیں کرتا

اُس شوخ ستمگر سے پڑا ہی مجھے پالا
جو قتل کیئے پر بھی تاسف نہیں کرتا

جو کچھ ہی انا میں وہ ٹپکتا ہے انا سے
کچھ آپ سے میں ذکر تصوف نہیں کرتا

تسکین ہو کیا وعدہ سے معشوق ہی آخر
ہر چند سنا ہی کہ تخلف نہیں کرتا

کیا حال تمھارا ہی ہمیں بھی تو بتاؤ
بے وجہ کوئی **شیفتہ** اُف اُف نہیں کرتا

اپنی جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

مشاطہ نے ملا تھی سیمیا کیا
گل برگ کو جو غنچہ سوسن بنا دیا

دامن تک اُس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ
جس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

دیکھا ہوگا خواب میں بھی یہ فروغ حسن
پردے کو اُس کے جلوے نے چلمن بنا دیا

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دلپر یہ اختیار
شب موم کر لیا سحر آہن بنا دیا

پروانہ ہے خموش کہ حکم سخن نہیں
بلبل ہے نغمہ گر کہ نوازن بنا دیا

صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو
صحرا کو جسکے جلوہ نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں
اُس نے ہی کیا نگہ کو بھی پرفن بنا دیا

اظہار عشق اُس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

کیا لائق زکوٰۃ کوئی بے نوا نہ تھا
انفاس یاد میں نفس آشنا نہ تھا

اس قوم کی سرشت میں ہی کم محبتی
شکوہ جو اُس سے تھا مجھے ہرگز بجا نہ تھا

تاثیر نالہ نکتہ بعد الوقوع ہے
یہاں غیر رسم اور کوئی مدعا نہ تھا

وحشت تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ تپش نہ تھی
شورش تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ مزا نہ تھا

اُنکی نگاہ ناز عجب تازیانہ تھی
مقدور پھر اُدھر نظر شوق کا نہ تھا

افسوس وہ مظاہر کونی میں پھنس گیا
جو عالم عقول سے ناآشنا نہ تھا

شرماتے اسقدر رہے کیوں آپ رات کو
مدت میں گو ملے تھے مگر میں نیا نہ تھا

بے پردہ اُنکے آنے سے حیرت ہوئی مجھے
وصلِ عدو کی رات تھی روزِ جزا نہ تھا

نان و نمک کی تھی ہمیں توفیق شیفتہ
ساز و نوا کے واسطے برگ و نوا نہ تھا

کل نغمہ گر جو مطرب جادو ترانہ تھا
ہوش و ہواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا

یہ بت کہ جائے شیب ہی جب تھا نقاب میں
عہدِ شباب اور بتوں کا زمانہ تھا

معلوم ہی ستاتے ہو ہر ایک بہانہ سے
قصداً نہ آئے رات حنا کا بہانہ تھا

حسرت سے اُسکے کوچہ کو کیونکر نہ دیکھیے
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا

کیا میکدوں میں ہے کہ مدارس میں وہ نہیں
البتہ ایک واں دلِ بے مدعا نہ تھا

ساقی کی بے مدد نہ بنی بات رات کو
مطرب اگرچہ کام میں اپنے یگانہ تھا

کچھ آج اُنکی بزم میں بیڈھب ہے بند و بست
آلودہ مے سے دامنِ بادِ صبا نہ تھا

دشمن کے فعل کی تھیں توجیہ کیا ضرور
تم سے فقط مجھے گلۂ دوستانہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب
نیند اُنکو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب

شکوہ مجھے نہ ہو جو مکافات حد سے ہو
وہاں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب

یہ ڈر رہا کہ سوتے نہ پائیں کہیں مجھے
وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب

سچ تو یہ ہے کہ بول گئے اکثر اہلِ شوق
بلبل نے کی جو نالہ سرائی تمام شب

دم بھر بھی عمر کھوئی ہو ذکرِ رقیب میں
کیفیتِ وصال نہ پائی تمام شب

تھوڑا سا میرے حال پہ فرما کر التفات
کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب

وہ آہ تار و پود ہو جسکا ہوائے زلف
کرتی ہے عنبری وہ صبائی تمام شب

وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

افسانے سے بگاڑ ہے ان بن ہے خواب سے
ہے فکرِ وصل و ذکرِ جدائی تمام شب

جس کے شمیم زلف پہ ہیں غش ہوں شیفتہ
اُس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

یوں بزمِ گلرخاں میں ہے اس دلکو اضطراب
جیسے بہار میں ہو عنادل کو اضطراب

نیرنگ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں
بسمل کو اضطراب ہے قاتل کو اضطراب

آجائے ہمنشیں وہ پری وش تو کیا نہ ہو
دیوانہ وار ناصح عاقل کو اضطراب

سیماب وار سارے بدن کو ہے یہاں تپش
تسکین ہو سکے جو ہو اک دل کو اضطراب

وہ باادب شہید ہوں میرا جو نام لے
قاتل تو پھر نہ ہو کسی بسمل کو اضطراب

افسوس یاد آہ سے دل بھی نہ جائے اور
یوں ہو ہولے ہے پردۂ محمل کو اضطراب

میں جاں بلب ہوں اور خبر وصل جاں طلب
کیا کیا نہیں دہندۂ وسائل کو اضطراب

لکھا ہے خط میں حالِ دلِ بیقرار کا
ہوگا ضرور شیفتہ حامل کو اضطراب

کیا اُٹھ گیا ہے دیدۂ اغیار سے حجاب
ٹپکا پڑے ہے کیوں نگہ یار سے حجاب

لاؤ نعم نہیں جو تمنائے وصل پر
انکار سے حجاب ہے اقرار سے حجاب

تقلید شکل چاہیے سیرت میں بھی تجھے
کب تک رہے مجھے ترے اطوار سے حجاب

دشنام دیں عجز بوسہ میں ابرام ہم کریں
طبع غیور کو ہے پر اصرار سے حجاب

رندی میں بھی گئی نہ یہ مستوری و صلاح
آتا ہے مجھکو محرم اسرار سے حجاب

وہ طعنہ زن ہے زندگیٔ ہجر پہ عبث
آتا ہے مجھکو حسرت دیدار سے حجاب

جوش نگاہ دیدۂ حیراں کو کیا کہوں
ظاہر ہے روئے آئینہ رخسار سے حجاب

روز و شب وصال مبارک ہو شیفتہ
جورِ فلک کو ہے ستم یار سے حجاب

دشمن سے ہے میرے دلِ مضطر کی شکایت
کیونکر نہ کروں شوخیٔ دلبر کی شکایت

دیوانۂ الفت ادب آموز خرد ہے
سودے میں نہیں زلف معنبر کی شکایت

تاخیر نہ کر قتل شہیدانِ وفا میں
ہر ایک کو ہی تیزیٔ خنجر کی شکایت

تاثیر ہو گیا اُن لب و دنداں کا ہوں ہمایہ
نے لعل کا شکوہ ہی نہ گوہر کی شکایت

کیوں بوالہوسوں سے دلِ عاشق کا گلہ ہے
غیروں سے بھی کرتا ہی کوئی گھر کی شکایت

اب ظلم سرشتوں کی نگہ سے ہوں مقابل
ہوتی تھی کبھی کاوشِ نشتر کی شکایت

یہاں کانٹوں پہ بھی لوٹنے میں چین نہیں ہی
وہاں غیر سے ہی پھولوں کے بستر کی شکایت

تعلیم بد آموز کو ہم کرتے ہیں یعنے
ہی شکر وفا جورِ ستمگر کی شکایت

نے پردہ وہ آئیں گے تو کیسے نہ مجھے ہو گی
ای **شیفتہ** ہنگامۂ محشر کی شکایت

اُس وفا کی مجھ سے پھر امیدواری ہی عبث
دلفریبی کی لگاوٹ یہ تمھاری ہی عبث

دشمنی کو جو کہ احساں جانتا ہو نازسے
اُس ستم ایجاد سے امید یاری ہی عبث

غمزے ہا دوست بعد از مرگ بھی نظروں میں ہیں
وہم راحت سے عدو کو بیقراری ہی عبث

سر ہیں کب پھل لگا تاثیر کیا ہو آہ میں
چشمِ تر کی صورتِ ابر اشکباری ہی عبث

ہم نے غافل پا کے تجھکو اور کو دل دیدیا
ای ستمگر اب تری غفلت شعاری ہی عبث

ہجر میں چرخ و اجل نے گر نہ کی یاری تو کیا
دشمنوں سے **شیفتہ** امیدواری ہی عبث

نہ کر فاش رازِ گلستاں عبث
نہ ہو بلبلِ زار نالاں عبث

کفایت تھی مجھکو تو چینِ جبیں
کیا قتل کا اور ساماں عبث

مقدم ہے ترکِ عدو کی قسم
وگرنہ یہ سب عہد و پیماں عبث

جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر
شکایات خارِ مغیلاں عبث

تکبر گدائے خرابات سے
نہ اے خواجہ کھو جان و ایماں عبث

وہاں صوت مینا و آواز ساز
خوش آہنگی مرغ شب خواں عبث

وہاں دس بجے دن کو ہوتی ہی صبح
سحر خیزیٔ عندلیباں عبث

دمِ خضر ہے چشمۂ زندگی
سکندر سرِ آب حیواں عبث

پری کا وہاں مجھکو سایہ ہوا
نہیں اشتیاقِ دبستاں عبث

طلبگارِ راحت ہیں نادردمند
اگر درد ہے فکر درماں عبث

یہ نازک مزاجوں کا دستور ہے
خشونت سے اندوہ حرماں عبث

شکایت کو اُس نے سنا بھی نہیں
کھلا غیر پر رازِ پنہاں عبث

مرے غم میں گیسوئے مشکیں نہ کھول
نہ ہو خلق کا دشمنِ جاں عبث

محبت جتاتا ہوں ہر طور سے
اثر کی نظر سوئے افغاں عبث

نہ سمجھا کسی نے مجھے کل نہ صبح
ہوا ٹکڑے ٹکڑے گریباں عبث

نہ مجھے یوں بٹھاتے وہ کب بزم میں ... اُٹھائے رقیبوں نے طوفاں عبث

یہ اندازِ دلکش کہاں شیفتہ
جگر کاوی مرغ بستاں عبث

اے شیفتہ نوید شبِ غم سحر ہے آج ... ہمتاب آفتاب فروغِ قمر ہے آج
آہنگ دلپذیر سے مطرب ہی جاں نواز ... آہِ جگر خراش کا ظاہر اثر ہے آج
دل سے کشادہ تر نہو کیونکر فضائے بزم ... تنگیِ خانہ حلقۂ بیرون در ہے آج
فانوس میں نہ شمع نہ شیشہ میں ہی پری ... ساغر میں جس بہار سے مے جلوہ گر ہے آج
پروانوں کا دماغ بھی ہے آسمان پہ ... نورِ چراغ میں جو فروغِ قمر ہے آج
ہر سمت جلوہ گر ہیں جو انانِ لالہ رو ... گلزار جسکو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج
سامان وہ کہ آئے نہ چشمِ خیال میں ... آ اے رقیب دیکھ کہ پیشِ نظر ہے آج
وہ دن گئے کہ ربطِ سر و سنگ تھا بہم ... شکرانہ کے سجود ہیں اور اپنا سر ہے آج

اسباب عیش یہ جو مہیّا ہی شیفتہ
کیا پردہ تم سے آپکی اُنکی خبر ہی آج

شیفتہ ہجر میں تو نالۂ شبگیر نہ کھینچ ... صبح ہونے کی نہیں خجلتِ تاثیر نہ کھینچ
ای ستمگر رگِ جاں میں ہی مری پیوستہ ... دم نکل جائیگا سینہ سے مرے تیر نہ کھینچ

عدو پہ بھی کوئی کرتا ہے عمل دنیا میں
رنج بیہودہ بس اے عامل تسخیر نہ کھینچ

عشق سے کیا ہی بجھے شکل تری کہتی ہے
حسن تقریر کو آہیں دمِ تقریر نہ کھینچ

ہی یہ سامان صفائی کا عدو سے کیونکر
دستِ مشاطہ سے یوں زلف گرہ گیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ کچھ امید تلافی تو ہے
دستِ نازک سے مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ

چارہ گر فکر کر اس میں کہ مقدر بدلے
ورنہ بیہودہ اذیت سپے تدبیر نہ کھینچ

کون مجرم ہے جو شایقِ تعذیر نہیں
شوق تعذیر سے تو حسرتِ تقصیر نہ کھینچ

وجد کو زمزمۂ مرغِ سحر کافی ہے
شیفتہ نازِ مغنّی و مزامیر نہ کھینچ

ناصح تپاں ہی شیفتہ نیم جاں کی طرح
کیا دل میں چبھ گئی نگہ جانستاں کی طرح

بہتر ہے آپ غیر سے دل کھول کر ملیں
آخر تو یہ بھی میرے ہی ہے امتحاں کی طرح

اُس شمع رو کی بزم میں مانع نہ تھا کوئی
ہوئی سبک جو نالۂ آتش فشاں کی طرح

کیوں ہر نفس ہے شہد خموشی سے بند لب
بھائی ہی دلکو کونسے شیریں بیاں کی طرح

لڑتے ہیں آشتی نہ تغافل میں التفات
یہ جور کی نکالی ہے تمنے کہاں کی طرح

خمیازہ بند بند گسل ہے خمار سے
بدمست کر گئی یہ کس ابرو کماں کی طرح

ہر ہر قدم پہ رشک سے جلتی ہی شمع فند

چلتا ہی وہ بھی شیفتہ میری زباں کی طرح

دیا ہی بوسہ مجھے جبکہ میں ہوا گستاخ	غلط ہی بات کہ کم رزق ہی گدا گستاخ
تمھاری بزم میں افسردہ میں نہ بیٹھونگا	نسیم باغ میں چالاک ہی صبا گستاخ
کہاں ہی غیرتِ شوخی کہ جائے غیرت ہی	نگاہِ یار سے ہر وقت ہی حیا گستاخ
سیفیہ جیسے کہ خدمت سے چل نکلتے ہیں	غرورِ مہر و وفا نے مجھے کیا گستاخ
لبوں سے جان ہی گستاخ ذوقِ بیحد سے	زبان بوسہ مجھے تو نے کیوں کہا گستاخ
قبول کیوں نہو وی خواہشِ ہم آغوشی	کہ آشناؤں سے ہوتے ہیں آشنا گستاخ

عنانِ ضبط کوئی شیفتہ سے تھمتی ہی
کہ ہر کرشمہ ہی چالاک وہر ادا گستاخ

روزِ غم میں کیا قیامت ہی شبِ عشرت کی یاد	اشکِ خوں سے آگئیں رنگینیاں صحبت کی یاد
میری حالت دیکھ تو تغیر کتنے ہو چکی	وصل کے دن دمبدم کیوں شیشہ ساعت کی یاد
میں ہوں بیکس اور بیکس پر ترحم ہے ضرور	حسنِ بے پروا کو دلا دینا مری حالت کی یاد
طاقتِ جنبش نہیں اس حال پر قصدِ عدم	مرگئے پر بھی رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد
غالباً ایامِ ہجراں بیخودی میں کٹ گئے	آتی ہی پھر آرزو بھولی ہوئی مدت کی یاد

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ

ایسی حسرت سے جو ہی گذری ہی نئی الفت کی یاد

طلب بوسہ پر اُس لب سے شکر آب لذیذ
تند ہی تلخ ہی لیکن ہی مئی ناب لذیذ

کچھ مزا تو نہ سمجھ خضر امورِ عشرت
سب مزاجوں میں نہیں ایک سے اسباب لذیذ

سم کی تاثیر کیے ہجر میں آبِ حیواں
مئی گلگوں کے سوا وصل میں ہی آب لذیذ

زوّ نہاد سہی پر نہیں مقبول فغاں
تا نہ معلوم ہو تلخیٔ مئے ناب لذیذ

شیفتہ ذوق سحر اُس نے کہاں دیکھا ہی
وہ جو کہتا ہی کہ ہی آخرِ شب خواب لذیذ

وصل کے لطف اُٹھاؤں کیوں کر
تاب اُس جلوے کی لاؤں کیوں کر

گرمجوشی کا کروں شکوہ کہ وہ
کہتے ہیں تجھکو جلاؤں کیوں کر

کیا کروں ہائے ہیں بیتاب وہ شوخ
چین سے پاس بٹھاؤں کیوں کر

ہر بُنِ مُو سے دُھواں اُٹھتا ہے
آتشِ غم کو چھپاؤں کیوں کر

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

یاد نے جس کی بُھلایا سب کچھ
اُس کی میں یاد بُھلاؤں کیوں کر

آپ بھایا سے مجھے رونا اپنا
کہتے ہیں ہائے میں جاؤں کیوں کر

چارہ عجز سے فرصت ہی نہیں
دردِ دل اُس کو سُناؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی — پھر کہو تجکو مناؤں کیوں کر
اُس کے آتے ہی بھڑک اُٹھی اور — آتشِ دل کو بجھاؤں کیوں کر

شورِ محشر ابھی چونک اُٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر

شیفتہ آیا ہوں میں کسکا تماشا دیکھکر — رہگئے حیران مجھکو سب خود آرا دیکھکر
شوقِ خوباں اُڑ گیا حوروں کا جلوہ دیکھکر — رنجِ دُنیا مِٹ گیا آرامِ عقبےٰ دیکھکر
ہی وہ آتش جلوہ اشک افشاں ہمارے شور سے — شمع رو دیتی ہی پروانہ کو جلتا دیکھکر
خیر جو گذری سو گذری پر یہی اچھا ہوا — خط دیا تھا نامہ بر نے اُسکو تنہا دیکھکر
سائلِ ہر دم کی پھبتی مجھ پہ فرمانے لگے — آرزوئے شوق کا گرمِ تقاضا دیکھکر
ہی وہاں سستی طلب میں جان بچا رہی نہیں — کام کرتے ہیں مزاجِ کارفرما دیکھکر
ہیں تو دو نو سخت لیکن کون سا ہی سخت تر — اپنے دلکو دیکھیے میرا کلیجا دیکھکر
گاؤں بھی ہمکو غنیمت ہی کہ آبادی تو ہی — آئے ہیں ہم سخت پر آشوب صحرا دیکھکر
اب کسے لاؤں گواہی کے لیے روزِ جزا — میرے دشمن ہوگئے اُس کو اکیلا دیکھکر
ہیں کمینِ توبہ میں ہوسِ آپ لیکن کیا کروں — منہ میں بھر آتا ہی پانی جام و مینا دیکھکر
التماسِ وصل پر بگڑی تھی بیڈھب رات کو — کچھ نہ بن آئی مگر جوشِ تمنا دیکھکر

دوستی کرتے ہیں ارباب غرض ہر اک سے
بے نقط مجھکو سناؤ گے جو دیکھوگے ستم
پھر کہوگے اُس کو دل فرما دای ارباب دل
یار پہلو میں نہیں می جام و مینا میں نہیں

تیرے عاشق ہیں عدو اب ربط اُس کا دیکھکر
آپ عاشق تو ہوئے ہیں شوق میرا دیکھکر
جو نہو بیتاب و مضطر وُہ سے زیبا دیکھکر
تم ہوئے حیران مجھکو ناشکیبا دیکھکر

ناگہاں باد موافق شیفتہ چلنے لگی
جان پر کل بن رہی تھی شور دریا دیکھکر

تھا قصد بوسہ نشہ میں ہشیار دیکھکر
کچھ بیم قتل سے نہیں آنکھوں میں اشک سُرخ
جاتے ہیں اور منع کی طاقت نہیں مگر
پردہ کسی کا یاد نہ بے پردگی ہی یاد
سرخیل عاشقاں ہے مجھے کہتے ہیں بوالہوس
آتی ہیں یاد کاکل و دل کی حکایتیں
کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
رحم ایسی سادگی پہ ستمگر ضرور ہے
کم رغبتی سے لیتے ہیں دل ہوشیار ہیں

غش آگیا مجھے انھیں ہشیار دیکھکر
کھاتا ہے جوش خوں تری تلوار دیکھکر
رہجائیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھکر
غش ہوگیا میں کعبہ کی استار دیکھکر
عاشق کا اُس کو مائل آزار دیکھکر
روتا ہوں دام و مرغ گرفتار دیکھکر
صورت کسی کی میں سر دیوار دیکھکر
عاشق ہوئے ہیں ہم تجھے پرکار دیکھکر
بڑھتا ہے مول شوق خریدار دیکھکر

کہتا تھا وقتِ مرگ کے ہر اک سے شیفتہ
دنیا کسیکو دل تو وفادار دیکھکر

یوں پاس بوالہوس ہیں حشمِ غضب سے دور
یہ بات ہی بُری دلِ عاشق طلب سے دور

دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلی لب پہ آئے
باتیں خلاف وضع ہیں اہلِ ادب سے دور

مجھکو سُنا کے کہتے ہیں ہمدم سے یاد ہی
اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور

جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے نہ دے کبھی
رکھیو الٰہی ایسے کے مجھکو غضب سے دور

کیونکر میں انجمن میں تمھاری شریک ہوں
اسبابِ رنج رہتے ہیں اہلِ طرب سے دور

ہم سے اُسے معاملہ تھا جان و جسم کا
ہرگز ملا نہ گاہ ہوا ہائے جب سے دور

تو بھی جو میرے پاس نہ آئے تو کیا کروں
تیرے ہی پاس سے تو میں رہتا ہوں سب سے دور

میں غیر بوالہوس نہیں ڈرتے ہو کس لیے
مجھ سے نہ رکھو بوسہ میں تم لب کو لب سے دور

بوس و کنار کی نہ کرونگا ہوس کبھی
یہ خواہشیں ہیں عاشقِ حسرت طلب سے دور

آغازِ عمر ہی میں ہے ہمکو خیالِ حج
دلّی جو شیفتہ ہے دیارِ عرب سے دور

ہم بے نشان اور وفا کا نشاں ہنوز
ہے خاک تن ہوا او ہوا خوں فشاں ہنوز

بیت الحزن میں نغمۂ شادی بلند ہے
نکلا ہے یاب مصر سے ہی کارواں ہنوز

صبح شبِ وصال نئی صبح ہے مگر — پروین ہنوز جلوہ گر و کہکشاں ہنوز

ہرگز ابھی شکایتِ دشمن نہ چاہیے — ہم پر بھی یار خوب نہیں مہرباں ہنوز

کیونکر کہیں کہ چھوٹ گئے ہم بندِ جسم سے — اُس زلف پیچ پیچ میں اُلجھی ہے جاں ہنوز

جو بات میکدہ میں ہے ایک ایک زبان پہ — افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

ضبط و شکیب یہاں ہے نقابِ جمالِ شوق — بیوجہ وہاں نہیں ہے سرِ امتحاں ہنوز

مدت ہوئی بہارِ جہاں دیکھتے ہوئے — دیکھا نہیں کسی نے گلِ بے خزاں ہنوز

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر — لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ — مدہوش ہیں ملائکہ آسماں ہنوز

ناآشنا رقیب سے ہے آشنا ابھی — ناآشنا ہے لب سے ہماری فغاں ہنوز

آشفتہ زلف چاک قبا نیم باز چشم — ہیں صحبتِ شبانہ کی ظاہر نشاں ہنوز

اے صبحِ پُر نسیم ذرا اور ٹھہر جا — ہے تاک پر ہمارے وہ دامن فشاں ہنوز

مے خانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی — لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اے تاب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی — کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

آتا ہوں میں وہیں سے ذرا [illegible]
سونے کے قصد میں بھی نہیں پاسباں ہنوز

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز — کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں پی کے مے صوفی — مست سوتے ہیں صبح تک شب خیز

رند کیا یاں تو شاہد و مے سے — پارسا کو نہیں گزیر و گریز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں — خطرِ عقبیٰ و بیم رستاخیز

ہے غریبوں کو جرأتِ فرہاد — ہے فقیروں کو عشرتِ پرویز

عیش نے یہاں بٹھا دیا ناقہ — غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز

کوئی یہاں غم کو جانتا بھی نہیں — جز غمِ عشق سوئے عیش آمیز

بادِ صرصر یہاں نسیمِ چمن — نارِ عنصر ہے آتشِ گل تیز

بوستاں کی طرح یہاں صحرا — دل کشا دلپذیر دل آویز

کوئی پامالِ جورِ چرخ نہیں — کتنی ہے یہ زمین راحت خیز

الشہ زہرہ اُس میں یہاں پایا — وہ جو مریخ ہے بڑا خونریز

شیفتہ تھام لو عنانِ قلم
یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

دور رہنا ہے کب تک اور بیگانے کے پاس — ہیں رقیب بیمرگ کہاں اب بھی نہیں آنے کے پاس

جلوہ آرا ایسکا تھا وہ شمع سیارات کو — ہم بھی مر کر رہ گئے مجلس میں پروانے کے پاس

آفریں طغیان وحشت مرحبا جوش جنوں
وہ یہ کہتے ہیں کہ کیونکر جائیں دیوانے کے پاس

غیر سے کہوائیں یا دوں سے سمجھوائیں گے ہم
دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیونکر نہیں آنے کے پاس

شیفتہ نے قصۂ مجنوں سنایا رات کو
آگیا میرا انھیں سنتے ہی افسانے کے پاس

اٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستان بادہ فروش
طلسم ہوش ربا ہے دکان بادہ فروش

کھلا جو پردۂ روئے حقائق اشیا
کھلی حقیقت راز نہان بادہ فروش

فسردہ طینتی و کاہلی سے ہم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکان بادہ فروش

یقین ہے کہ مئے ناب مفت ہاتھ آئے
یہ جی میں ہے کہ بنوں میہمان بادہ فروش

قدح سے دل ہے مرا اور مے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبان بادہ فروش

عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آنکلیں
کہ ہے گذرگہ خلق آستان بادہ فروش

مے و سرود کے اسرار آپ آ کر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ہوں رازدان بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
جز اس کے اور نہیں امتحان بادہ فروش

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھولی دکان بادہ فروش

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملیگا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

اُن کو دشمن سے ہی محبت خاص
یہ ہمارا ہے ثمرۂ اخلاص

وجد میں لائے اہل درد ہمیں
باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

دل کے ٹکڑے اُڑا نہیں ہے گناہ
نفس کو قتل کرنے میں ہی قصاص

حسن باطن زبونی ظاہر
ہے مئے ناب اور جام رصاص

کیا مزا تم سے آشنائی کا
ماشربتم مدامتہ الاخلاص

ہجر زہر اور وصل ہے تریاق
زہر و تریاق کا جدا ہی خواص

قسمت اُس کی خبر نہ ہو جسکو
عام اس دور میں ہی بادۂ خاص

دام سے تیرے موسم گل میں
بلبلوں کو نہیں ہوا ہے خلاص

شیفتہ نے ہمارے داد نہ دی
سچ ہے الناس لا یحب الناس

ہی دلکو یوں تمسے دمِ اعجاز اثر سے فیض
غنچہ کو جیسے موجۂ بادِ سحر سے فیض

عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم
پاتے ہیں لوگ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

ہی عالمِ کبیر میں بھی یوں ہی جس طرح
دل سے جگر کو فیض ہی دلکو جگر سے فیض

آزردۂ جفائے دی و تیر کو نہیں
یک ذرّہ آب و آتش لعل و گہر سے فیض

اپنے نہاد میں نہیں احسان فراموشی
پایا ہی ہم نے صاعقہ کا ابر تر سے فیض

زر کسب کر کہ عشرتِ منعم نصیب ہو
کھلتے ہیں اُس کے سینہ در بسے مدام ہم
ارباب خانقاہ ہیں محتاج اغنیا
بلبل ہمارے گھر وہ خود آتے ہیں رحم سے

فرہاد کو سُنا ہی ہوا جو ہنر سے فیض
ہوتا ہی ہمکو روزنہ سپہر سے فیض
کافی ہی ہمکو پیرِ مغاں تیرے در سے فیض
افزوں ہی نے پرے میں ہما بال و پر سے فیض

خرم نہاد میکش و زاہد شگفتہ دل
ہے شگفتہ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

لازم ہے بیوفا تجھے اہلِ وفا سے ربط
یہ ناخن و خراش ہیں بگڑی کہ کیا کہوں
ناصح مری ملامتِ بیجا سے فائدہ
اُس مرد مہر کو ہوا اثر یہ جو ہو سکے
کیجے گراں سے شکوہ انجام کار عشق
دو دن میں تنگ ہو گئے جورِ سپہر سے
کیا تجھے بدگمانی ابرو کا دھیان ہے
تیرے ستم سے ہی یہ دعا لب پہ دمبدم
صبح شبِ فراق کا کیا لطف مرگ سے

کیسا ہی دیکھ عکس ادا کو ادا سے ربط
اک دم ہوا جو عقدۂ بندِ قبا سے ربط
بے اختیار دلکو ہی اُس دلربا سے ربط
کام و دہاں کو ہے پر دم شعلہ نوا سے ربط
کہتے ہیں مجھکو تم سے نہ تھا ابتدا سے ربط
اس حوصلہ پہ کرتے تھے اُسکی جفا سے ربط
کرتے وگرنہ ہجر میں تیغِ قضا سے ربط
یارب نہو کسی کو کسی بیوفا سے ربط
کیا دیر میں ہوا ہمیں رو د آشنا سے ربط

فریاد نزع کان تک اُس کے نہ جا سکے
تھا شیفتہ ہمیں نفسِ نارسا سے ربط

ترے فسوں کی نہیں مرے دل میں جا واعظ
کسی صنم نے مگر آپ کو جلایا ہے
تمھارے حسن جہاں سوز سے میں جلتا ہوں
ملا کے دیکھیں کہ ہے خوب کون دونوں میں
ترے فسونِ اثر ریز سے رسا تر سی

صنم پرست نہ ہو بندۂ ریا واعظ
نہیں تو حور و نکی کیوں اسقدر تمنا واعظ
کہ ہیں رقیب مرے شیخ و پارسا واعظ
ہم اُس کو لاتے ہیں تو حور کو بلا واعظ
فغان نے اثر و آہ نارسا واعظ

لمی تھی حالتِ رندی میں اُسکو کیا یارو
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ

خورشید کو اگرچہ نہ پہنچی ضیائے شمع
اس تیرہ روزگار میں مجھسا جگر گداز
روزِ فراق میں ہی قیامت جمالِ گل
پروانے کیا خجل ہوے دیکھا جو صبح کو
اُس رشکِ شمع و گل کی ہی کچھ آب و تاب اور
دیتی ہی اور گرمی پروانہ داغِ رشک

پروانہ کو پسند نہیں پر سوائے شمع
مشعل جلا کے ڈھونڈھے اگر تو نہ پائے شمع
شب ہائے ہجر میں ہی مصیبت لقائے شمع
تھا شب کو اُسکی بزم میں خورشید جائے شمع
دیکھے ہیں جلوہ ہائے گل و شعلہ ہائے شمع
شب ہائے ہجر میں کوئی کیونکر جلائے شمع

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی
ہی حکم شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع

اُس لعل بے بہا سے کہاں تاب ہمسری
روشن ہی سب پہ قیمت گل اور بہائے شمع

خورشید جس کے جلوہ سے ہو شمع صبح دم
کیا ٹھہرے اُسکے سامنے نور و ضیائے شمع

اس تیرہ شب میں جائیں گے کیونکر عدو کے گھر
میرا رقیب وہ ہی جو انکو دکھائے شمع

آتے ہیں وہ جو گور پہ میری تو بہر زیب
کوئی نہ لائے پھول نہ کوئی منگائے شمع

گل پر لگا کے آپ سے پہنچیں گے تہ طلب
آئیگی اپنے پاؤں سے کہاں بن بلائے شمع

ڈر ہی اُٹھا نہ دے کہیں وہ بزم عیش سے
کیا تاب ہی کہ شیفتہ آنسو بہائے شمع

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ
رہتا ہی ورنہ گھر میں ترے تا سحر چراغ

کیا لطف آہ صبح شب ہجر مہروش
کیا فائدہ جو بجھ گئے روشن سحر چراغ

پروانہ گر نہ جائے تو بیجا ہے لاف عشق
روشن ہی میرے نالوں سے افلاک پر چراغ

عنقا کرے طریقہ پروانہ اختیار
اُس تاب رُخ سے بجھ گئے روشن اگر چراغ

پروانہ ہو گیا ہے رقیب کتاں کہ ہی
اُس مہروش کے جلوے کے آگے قمر چراغ

گستاخیوں کی تاب کسی اُس کی بزم میں
بیباکی نسیم سے ہرگز نہ ڈر چراغ

ہی شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار
گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

کرتا ہوں فکر شعر جو میں شب کو شیفتہ
رہتا ہے خواب گہ میں مری رات بھر چراغ

وہاں ہوا پردہ اُٹھانا موقوف — یہاں ہوا راز چھپانا موقوف
غیر کو رشک سے کیا آگ لگی — کہ ہوا میرا جلانا موقوف
ذکر شیریں کی اگر بندی ہے — کوہکن کا بھی فسانا موقوف
اب کس امید پہ وہاں جائے کوئی — کہ ہوا غیر کا آنا موقوف
رم آہو سے وہ رم یاد آیا — دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بد دماغ آج ہوا وہ گل رو
شیفتہ عطر لگانا موقوف

پابندیٔ وحشت میں ہیں زنجیر کے مشتاق — دیوانے ہیں اس زلف گرہ گیر کے مشتاق
بیرحم نہیں جرم وفا قابلِ بخشش — محروم ہیں کس واسطے تعزیر کے مشتاق
رہتے تھے ہم جن سے مثالِ ورق و حرف — اب اُنکی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق
لکھتا ہوں جو میں آرزوئے قتل میں نامے — ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق
کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے تغافل — مرجائیں گے ظالم دم شمشیر کے مشتاق
اے آہ ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر — مدت سے ہیں ہم آہ کی تاثیر کے مشتاق

سیماب تھا دل جلکے سو اب خاک ہوا ہے — لیجائیں مری خاک کو اکسیر کے مشتاق
کیا ہجر کے دن آنے ہیں ہے عذر نہیں تو — ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق

دل سرد ہوا اُن کے ترے نالہ موزوں
تھے شیفتہ ہم حسنِ تاثیر کے مشتاق ۔

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آکے لب تلک — ہم آرزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک
کہتے ہیں بیوفا مجھے میں نے جو یہ کہا — مرتے رہیں گے آپ پہ جیتے ہیں جب تلک
تمکین حسن ہے کہ نہ بیتاب ہو سکا — خلوت میں بھی کوئی قلق بے ادب تلک
آجائے کاش موت ہی تسکین ہو نہ ہو — ہر وقت بیقرار رہے کوئی کب تلک
وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف — دیکھیں کہ ہے دریغ نگاہ غضب تلک
ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب — پہنچاؤ یہ پیام اجل جاں طلب تلک
مایوس لطف سے نہ کرے دشمنی شعار — امید سے اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک
یہاں عجز لے رہا ہے نہ وہاں ناز دلفریب — شکوۂ بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

ایسی ہی بیقراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

طالع خفتۂ دشمن نہ جگانا شبِ وصل — دیکھ اے مرغِ سحر غل نہ مچانا شبِ وصل

اُن کو منظور نہیں نیند کا آنا شبِ وصل
اس لیے کہتے ہیں غیروں کا فسانا شبِ وصل

صبر پروانے کا مجھپر نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہرو شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل

خواہشِ کام دل اتنی نہ کرا ای شوق کہ وہ
ڈھونڈھتے ہیں چلے جانے کو بہانا شبِ وصل

آپ منت سے بلائے نہ مجھے کیونکر آؤں
غیر کے گھر میں ہی تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل

شان میں صحبتِ ناکس سے خلل آتا ہے
صبح ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا شبِ وصل

تیرگی بخت سیہ سے مری لیجا کہ ضرور
جلوہ اُس مہرلقا کا ہی چھپانا شبِ وصل

روزِ ہجراں میں اُٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے
شیفتہ اور بھی تم لطف اُٹھانا شبِ وصل

اصحابِ درد کو ہی عجب تیزیِ خیال
مثلِ زبانِ نطق قلم کی زبانِ حال

عہدِ وفا کیا ہے نباہیں گے شک عبث
وعدہ کیا ہی آئیں گے بیجا ہے احتمال

کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہے
یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال

ناز و غرور ٹھیک ہی جور و جفا درست
کس کے ہو نصیب یہ حسن اور یہ جمال

ساقی پلا وہ بادہ کہ غفلت ہو آگہی
مطرب سُنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال حال

ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
ای خوزدہ گیر سخن رجال و ہم رجال

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہی الگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

ہنگام وصف کام میں لائے وہ ایسے لفظ
جن کو معانی متعدد پہ اشتمال

ما والتنہین وا نتن فی البیوت
ما والتقلتن وانتن فی الجبال

ق

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوان شیفتہ
ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال

لیکن مبالغہ تو ہے البتہ اس میں کم
ہاں ذکر خد و خال اگر ہے تو خال خال

یہاں کے آنے میں نہیں اُنکو تمکین کا خیال
غالباً کچھ تو ہوا ہے میری تسکین کا خیال

کفِ افسوس ملنے سے بھی پڑے ہاتھ میں نقش
بسکہ ہے دل میں مرے دستِ نگاریں کا خیال

گو مجھے عاشقِ مفلس وہ کہیں طعنہ سے
تو بھی کیونکر نہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال

تعزیت کو مری وہ آئے تو کیا ذلت ہے
اہلِ ماتم کو نہیں بزم کی تزئین کا خیال

کیوں نہ ہو دست مژہ ماتمیوں کا رنگیں
مرتے دم تھا مجھے اُس پنجۂ رنگیں کا خیال

سخنِ عشق ہے پتھر کی لکیر اے پرویز
دلِ فرہاد سے کیونکر مٹے شیریں کا خیال

کیا مسلماں ہیں ہم شیفتہ سبحان اللہ
دل سے جاتا نہیں دھرم بت بیدیں کا خیال

بلبل کو بھی نہیں ہے دماغِ صدائے گل
بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل

ہنگامِ عشق جو غیر کو اُس نے سنگھائے گل
جنت میں اچھلی مری جاں کو ہوائے گل

ایما ہے بعد مرگ بھی ہم بیوفا رہے
اس واسطے مزار پہ میرے چڑھائے گل

مرتی ہیں گل کے نام ہی پر بلبلیں کہ اب
پھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے جب سے کھائے گل

کھٹکوں عدو کی آنکھ میں تا بعد مرگ بھی
کانٹے ہوئے مرے مزار پہ رکھنا بجائے گل

کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر کیا کہوں
روز جزا ابھی سینہ پہ میرے جو پائے گل

جلتی ہی تیرے حسن جہاں سوز سے بہار
نکلیں گے شعلے خاک چمن سے بجائے گل

آخر دورنگی اس گل رعنا پہ کھل گئی
لوگوں کو دیکھکر جو عدو نے چھپائے گل

عاشق سے پہلے راہ محبت میں جان دی
کیونکر نہ عندلیب کرے جان فدائے گل

خاموش عندلیب کہ طاقت نہیں رہی
ہیں چاک سے دے کان کے مثل قبائے گل

شاید وہ کھانے لائیگا اسکو کہ غیر نے
بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل

جس گل میں ہو ادا وہ چمن میں بھلا کہاں
ای بلبلو تمھیں کو مبارک ادائے گل

میرا انھیں کو غم ہی کہ بلبل کی آہ پر
کرتا ہی کون چاک گریباں سوائے گل

جنت میں پہنچیں بلبلیں پروانے جل گئے
اب کون شمع گور پر اور کون لائے گل

اک گل کا شوق تھا سبب اپنی وفات کا
پھولوں کے دن مرے رفقانے منگائے گل

لکھی یہ ہم نے وہ غزل تازہ شیفتہ
ہر شعر جس میں داغ وہ دستہ ہائے گل

کہ ہم سے خفا وہ ہیں گئے اُن سے خفا ہم
مدت سے اسی طرح بنی جاتی ہے یا ہم

کرتے ہیں غلط یار سے اظہار وفا ہم | ثابت جو ہوا عشق کجا یا کجا ہم

کچھ نشۂ مے سے نہیں کم نشۂ نخوت | تقویٰ میں بھی صہبا کا اٹھاتے ہیں مزا ہم

موجود ہے جو لاؤ جو مطلوب ہو وہ لو | مشتاق وفا تم ہو طلبگار جفا ہم

نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق | وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم

کیا کرتے ہیں کیا سنتے ہیں کیا دیکھتے ہیں ہائے | اس شوخ کے جب کھولتے ہیں بند قبا ہم

یہ طرز ترنم کہیں نہ نہار نہ ڈھونڈھو
اے شیفتہ یا مرغ چمن کہتے ہیں یا ہم

مرگئے ہیں جو ہجر یار میں ہم | سخت بیتاب ہیں مزار میں ہم

تا دل کینہ ور میں پائیں جگہ | خاک ہو کر ملے غبار میں ہم

آمد آمد میں اسقدر شورش | دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم

وہ تو سو بار اختیار میں آئے | پر نہیں اپنے اختیار میں ہم

کب ہوے خار راہ غیر بھلا | کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم

کوئے دشمن میں ہو گئے پامال | آمد و رفت بار بار میں ہم

نعش پر تو خدا کے واسطے آ | مرگئے تیرے انتظار میں ہم

گر نہیں شیفتہ خیال فراق

کیوں تڑپتے ہیں وصل یار میں ہم

مطبوع یار کو ہی جفا اور جفا کو ہم
کہتی ہی بد عدو کو وفا اور وفا کو ہم

دشنام بھی سُنے نہ تمھاری زبان سے
ہی کوستی اثر کو دعا اور دعا کو ہم

افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلادیا
نامہ کو ڈھونڈھتی ہی صبا اور صبا کو ہم

لاتا ہی ظن نیم تبسم سے جوش میں
دل کو قلق قلق کو بکا اور بکا کو ہم

درماں مریض غم کا ترے کچھ نہ ہو سکا
چھیڑے ہی چارہ گر کو دوا اور دوا کو ہم

پھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
پھر اُس کو دو کہتی ہے حیا اور حیا کو ہم

ہیں جاں بلب کسی کے اشارے کی دیر ہی
دیکھے ہی اُس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

ہی آرزوے شربت مرگ اب تو شیفتہ
لگتی ہی زہر ہمکو شفا اور شفا کو ہم

بچتے ہیں اسقدر جو اُدہر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دل شورش ادا سے ہم

افشائے راز عشق میں ضرب المثل ہے وہ
کیونکر غبار دلمیں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں میکدہ کو کہاں یہ عزیز وہاں
رخصت تو ہولیں کبر و نفاق و ریا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو اب تو مت اُٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم

ہی جامہ پارہ پارہ دل و سینہ چاک چاک
دیوانہ ہو گئے گل جیب قبا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قد آئیگا
شام شبِ فراق نہ مرتے بلا سے ہم

ہر بات پر نگاہ ہماری ہی اصل پر
لیتے ہیں مشک نے خم کو زلف دو تلے سے ہم

بیگانہ جب سے یار ہوا ہی رقیب سے
امید قطع کرچکے ہر آشنا سے ہم

بلبل یہ کہہ رہی ہی سرِ شاخسار پر
بدمست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہل بزم
شرمندہ ہوگئے تری شرم و حیا سے ہم

ہاں شیفتہ پھر اسمیں نصیحت ہی کیوں نہو
سنتے ہیں حرف تلخ کو سمع رضا سے ہم

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم

شاید رقیب ڈوب مریں بحرِ شرم میں
ڈوبینگے موج اشک کی طغیانیوں میں ہم

محتاج فیض نامیہ کیوں ہوتے اسقدر
کرتے جو سوچ کچھ جگر افشانیوں میں ہم

پہنچائی ہم نے مشق یہاں تک کہ ہوگئے
استاد عندلیب نوا خوانیوں میں ہم

غیروں کے ساتھ آپ بھی اٹھتے ہیں بزم سے
لو میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم

جن جن کے تو مزار سے گذرا وہ جی اٹھے
باقی رہے ہیں ایک ترے فانیوں میں ہم

گستاخیوں سے غیر کی انکو ملال ہے
مشہور ہورہے ہیں کاش ادب دانیوں میں ہم

دیکھا جو زلف یار کو تسکین ہوگئی
یکسا چند مضطرب تھے پریشانیوں میں ہم

آنکھوں سے یوں اشارۂ دشمن نہ دیکھتے
ہوتے نہ اسقدر جو نگہبانیوں میں ہم

جو جان کھو کے پائیں تو فوز عظیم ہے
وہ چیز ڈھونڈھتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کیوں نہ اُڑ جائے مرا خواب ترے کوچے میں
فرش ہے مخمل و کمخواب ترے کوچے میں

دولت حسن یہاں تک تو لٹائی ظالم
اشک ہے گوہر نایاب ترے کوچے میں

جوشش گریۂ عشاق سے اکدم میں ہوا
شجر سوختہ شاداب ترے کوچے میں

ہوش کا پانو جو یہاں آکے پھسل جاتا ہے
کیا لُنڈھائی ہے مئے ناب ترے کوچے میں

ہے کف پائے عدو پا سے تری رنگیں تر
بسکہ ہم روتے ہیں خوں ناب ترے کوچے میں

گوشہ گیری سے بھی گردش نہ گئی طالع کی
پھرتے ہیں صورت دولاب ترے کوچے میں

غیر نے سنگ جو پھینکے وہ ہوئے بالش سر
چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں

وہ بھی محروم نہیں جن کو نہیں بزم میں بار
تیرے رخسار کی ہے تاب ترے کوچے میں

چلدیا شیفتہ سوئے دیر خدا جانے کہاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نے میں

کچھ زہر اگل رہی ہے بلبل
کچھ زہر ملا ہوا ہے جس میں

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہے یار کی بو ہر ایک شے میں

ہیں ایک ہی گل کی سب بہاریں
فروردیں میں اور فصل دے میں

ہے مستیٔ نیم خام کا ڈر
اصرار ہے جام پے بہ پے میں

میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں
بزم جم و بارگاہ کے میں

ابتک زندہ ہے نام وہاں کا
گذرا ہے حسین ایک جے میں

ہوتی نہیں طے حکایت طے
گذرا ہے کریم ایک طے میں

کچھ **شیفتہ** یہ غزل ہے آفت
کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں

روز خوں ہوتے ہیں دو چار ترے کوچے میں
ایک ہنگامہ ہے اے یار ترے کوچے میں

فرش رہ ہیں دل افگار ترے کوچے میں
خاک ہو رونق گلزار ترے کوچے میں

سرفروش آتے ہیں اے یار ترے کوچے میں
گرم ہے موت کا بازار ترے کوچے میں

شعر میں اب نہ کہوں گا کہ کوئی پڑھتا تھا
اپنے حالی مرے اشعار ترے کوچے میں

نہ ملا ہم کو کبھی تیری گلی میں آرام
نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں

ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا
لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں

تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ہوس
ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں

ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل
خلد میں روح تن آ نار ترے کوچے میں

کیا تجاہل سے یہ کہتا ہی کہاں رہتے ہو
تیرے کوچے میں ستمگار ترے کوچے میں

شیفتہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے
روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں
تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں

گلشن میں چلکے بند قبا تیرے وا کروں
جی چاہتا ہی جامۂ گل کو قبا کروں

آتا ہوں پیر دیر کی خدمت سے مست میں
ہاں زاہدو تمھارے لیے کیا دعا کروں

جوشِ فغان وداع کہ منظور ہے اُنھیں
دل نذرِ کاوشِ نگہ سرمہ سا کروں

نفرین بیشمار ہے اس عمد و سہو پر
گر ایک میں صواب کروں سو خطا کروں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں

تم دلربا ہو دلکو اگر لے گئے تو کیا
جب کاہ ہوسکے میں اثر کہربا کروں

اے چارہ ساز لطف کہ تو چارہ گر نہیں
بس اے طبیب رحم کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئے ناب معرفت
اصلِ سرورِ دامِ خبائث کو کیا کروں

یا اپنے جوش عشوۂ پیہم کو تھامیے
یا کعبے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارہ آوازہ پا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماعِ مجرّد سنا کروں

مانا سحر کو یار اُسے یہاں جلوہ گر کریں
طاقت ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں

تزئین میری گور کی لازم ہی خوب سی
تقریبِ سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

اب ایک اشک ہی دُرِ نایاب وہ کہاں
تارِ نظر جو گریہ سے سلکِ گہر کریں

وہ دوست ہیں اُنھیں ہوا اثر ہو گیا تو کیا
نالے ہیں وہ جو غیر کے دلمیں اثر کریں

آئے تو اُنکو رنج نہ آئے تو مجھکو رنج
مرنے کی میری کاش نہ اُنکو خبر کریں

ہی جی میں سونگھیں نکہتِ گل جا کے باغ میں
بس کب تک التجائے نسیمِ سحر کریں

اب کی ارادہ ملکِ عدم کا ہی شیفتہ
گھبرا گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں

شبِ وصل کی بھی چین سے کیونکر بسر کریں
جب یوں نگاہ بانیٔ مرغِ سحر کریں

محفل میں اک نگاہ اگر وہ اِدھر کریں
سو سو اشارے غیر سے پھر رات بھر کریں

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

آز و ہوس سے خلق ہوا ہی یہ نامراد
دلپر نگاہ کیا ہے وہ مجھپر نظر کریں

کچھ اُنکی ہم سے بولے تو یہ جی میں ہی کہ پھر
ناصح کو بھی رقیب سے آزردہ تر کریں

وہاں ہی وہ نغمہ جس سے کہ حوروں کے ہوش جائیں
یہاں ہی وہ نالہ جس سے فرشتے حذر کریں

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں

کب ہاتھ کو خیال جزائے رفو نہیں
کب پارہ پارہ پیرہنِ چارہ جو نہیں

گلگشت باغ کس چمن آرائی کی کہ آج
موجِ بہار مدعی رنگ و بو نہیں

واں بار ہو گیا ہی نزاکت سے ناز بھی
یہاں ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں

کس نے سُنا دیا دلِ حیرت زدہ کا حال
یہ کیا ہوا کہ آئینہ اب روبرو نہیں

تغیرِ رنگ کہتی ہی وصلِ عدو کا حال
یعنی نقاب رخ پہ کبھو ہی کبھو نہیں

گستاخ شکوہ کیا ہوں کہ اندازِ عرض پہ
کہتے ہیں اختلاط کی بندے کی خو نہیں

کیا جانے دردِ زخم کو گو ہو شہیدِ ناز
جو نیم کشتۂ خنجرِ رشکِ عدو نہیں

ابر سرشک و گلشنِ داغ و نسیمِ آہ
سامانِ عیش سب ہی پر افسوس تو نہیں

بدخوئیوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ
ہر ایک کو جو حوصلۂ آرزو نہیں

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں
اے دل یقین جان کہ ہم ہیں تو تو نہیں

بے اشکِ لالہ گوں بھی میں بے آبرو نہیں / آنسو میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں

پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں / عطرِ سہاگ ملتے ہو وہ جسمیں بو نہیں

یہ کیا کہا کہ بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم / اے ہمنشیں مگر وہ مرے روبرو نہیں

بے طاقتی نے کام سے یہ کھو دیا کہ بس / دل گم ہوا ہی اور سرِ جستجو نہیں

محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو / لڑتی ہیں کیوں اگر سرِ صلحِ عدو نہیں

کیا جوشِ انتظار میں ہر سمت دوڑ ہے / بدنامیوں سے ہائے گذر ایکسو نہیں

دی کس نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مژہ کو آب / شورِ فغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہیں

یہ پیچ و تاب میں شبِ غم نے حواسیاں / اے دل خیالِ طرۂ تابیدہ مو نہیں

دستِ جنوں نے جامۂ ہستی قبا کیا / اب ہائے چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں

شکلِ ستم بھی راس نہ آیا ہمیں کہ اب / کہتے ہیں وہ کہ لائقِ الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو / کیا آپکا نشانِ قدم کو بکو نہیں

نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی / امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اُس گل پہ غش ہیں جسمیں محبت کی بو نہیں

ہم سے آزاد روش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں / کیا قیامت ہی کہ اب سرو ثمر رکھتے ہیں

شکر ہیں وصل کی شب کی قفس چرخ سے ہم
فکر آزادیٔ مرغانِ سحر رکھتے ہیں

نہ مذمت کا تحمل نہ ثنا کی خواہش
عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ نہ ہنر رکھتے ہیں

دل ترا سنگ ہی پر آگ کہاں ہی اسمیں
دل ہمارا ہی کہ شیشہ میں شرر رکھتے ہیں

آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھٹے
بذلہ و ہزل ترے دلمیں اثر رکھتے ہیں

نہ ہمارا کوئی دشمن نہ ہمارا کوئی دوست
وہ نظر اور سہی جو اہل نظر رکھتے ہیں

بیخودی ہمکو ہی اور اُنکو خود آرائی ہی
نہ ہماری وہ نہ ہم اُنکی خبر رکھتے ہیں

شیفتہ ہم سے ہو جس شخص کو ملنا مل لے
صبح اس شہر سے ہم عزم سفر رکھتے ہیں

گرمجوشی ہی مگر فرق شرارت میں نہیں
چھیڑ کس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں

رات ساقی نے کہا جس کے یہ سب جلوے ہیں
وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں

ہمکو مقصد سے زیادہ ہی ادب میں کوشش
ورنہ کچھ غیر سوا ہم سے جسارت میں نہیں

رند فارغ بھی ہوئے جام سحرگاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگ طہارت میں نہیں

فرحت نفس جو وہ ہی تو یہ ہی راحت روح
کیا بزرگی میں مزا ہی جو حقارت میں نہیں

اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات مگر
غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جامِ مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امر عظیم
یہ تو داخل بھی وہاں ناز و شرارت میں نہیں

دل کے بدلے میں طلبگار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحاب تجارت میں نہیں

نہ سجدہ ریز ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں
تہ افریب سے نقشِ قدم مٹاتے ہیں

چراغ وقت محبت نے کر دیا افسوس
کہ مجھکو ہی پرائے سبھی جلاتے ہیں

جو اُن سے نقشۂ صحبت ہی رہا چندے
تو دیکھو گے کہ ہم نقش کیا بٹھاتے ہیں

میں اُس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ ہوں
کہاں ہے غش رفقا عطر کیوں سنگھاتے ہیں

شب وصال میں تا کیفیت اُٹھا نہ سکوں
وہ مجھکو ساغر مے متصل پلاتے ہیں

تمھاری بات میں کیا آگیا ہی شیفتہ فرق
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

عذر اک ہاتھ لگا ہی اُنھیں یہاں آنے میں
کیوں کہا میں نے کہ چلیے مرے غمخانے میں

سیر وحشت کو جو اک خلق چلی آتی ہی
شہر آباد ہوا ہی مرے ویرانے میں

ہم بھی محروم سہی غیر تو ہونگے محروم
لطف آجائے کہیں یار کو شرمانے میں

یہ تو سچ ہی کہ کجا محتسب و بادہ کشی
پھر یہ ہیں جوش پہ کیوں آتے ہیں پیمانے میں

لے لیا پنجۂ گلگوں میں جو اپنے تو نے
ہم نے جانا ہیں جڑے لعل ترے شانے میں

سچ کہا غیر کو گھر نیند نہ آئی ہوگی
فرش ہی محفل کا شایاں ترے کاشانے ہیں

شیفتہ سن کے وہ دیتے ہیں جو لاکھوں دشنام
اثر بادہ ہی گویا مرے افسانے ہیں

ہے ستم کے رشک کا اُنکے گماں میں امتحاں
غیر کا کرتے ہیں میرے امتحاں میں امتحاں

آرزوئے مرگ تھی روزِ جدائی مر گئے
کر لیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں

چھیڑ تو دیکھو کہ بعد از قتل مجھسے یہ کہا
آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گماں میں امتحاں

دیکھنا آئینہ دیکھیں ہم ہنسیں گے یا نہیں
اپنے غم کا لیں گے سیرِ زعفراں میں امتحاں

اُن کے کوچے میں تمھیں لیجاؤں کیونکر شیفتہ
کر چکا ہوں تمکو سیرِ گلستاں میں امتحاں

تنگ تھی جا خاطرِ ناشاد میں
آپ کو بھولے ہم اُن کی یاد میں

کیونکر اُٹھتا ہی خدا رنجِ قفس
مر گئے ہم تو کفِ صیّاد میں

وہ جو ہیں تاریخ سے واقف بتائیں
فرق بادِ آہ و بادِ عاد میں

یہاں امیدِ قتل ہی نے خوں کیا
رہ گئی حسرت دلِ جلّاد میں

نے تعلق پن بھی آخر قید ہے
قید پائی خاطرِ آزاد میں

غمزۂ شیریں ہی کی دولت سے تھا
جو اثر تھا تیشۂ فرہاد میں

کیوں خبر پوچھی ترا بیمار ہائے
مر گیا شورِ مبارکباد میں

بے تکلف جی میں جو آئے کرو کیا دھرا ہے نالہ و فریاد میں

دھیان تجھکو ہو نہ ہو پر شیفتہ
رات دن رہتا ہی تیری یاد میں

ہی امتزاج مشک مئے لعل فام میں آتی تہی بوئے عنبر ہمارے مشام میں
پہنچے کہاں تصرف ساقی سے اہل بزم پہنچے نہیں شراب صراحی سے جام میں
تا فرق آئے بات میں فرمائشیں وہ کیں تعجیل جن کی ہو نہ سکے انصرام میں
اب کچھ ہمیں غنا سے تعلق نہیں رہا جوش و تپش کو بار نہیں اس مقام میں
اس لطف سے کہاں ہی نسیم چمن میں بو جو لطف بھر رہا ہی تمہارے پیام میں
ہی شرط عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم کیسا ہی دل پھنسا ہو امور عظام میں
آئی جو آج کام میں صہبائے تند و تلخ ساقی نے خوب راز کہے بار عام میں
آہو کی بخت آئے جو تیرے کمند میں بلبل کی قسمت آئی اگر تیرے دام میں

تمکو نہیں جو عجب تعجب ہی شیفتہ
ہی فی زمانہ نایہ سرشت کرام میں

اشک آہ دل زار کی افواہیں ہیں یعنی مجھپر کرم یار کی افواہیں ہیں
شرم اب نالۂ دل خانۂ اغیار میں بھی جوش افغاں عزابار کی افواہیں ہیں

کب کیا دل میں مرے پند و نصیحت نے اثر
ناصح بیہدہ گفتار کی افواہیں ہیں

جنس دل کی وہ خریدار ہوئے تھے کس دن
یہ تو نہیں کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں

قیس و فرہاد کا منہ مجھ سے مقابل ہونگے
مردم وادی و کہسار کی افواہیں ہیں

یہ بھی کچھ بات ہی ہیں اور کروں غیر سے بات
تم نہ مانو کہ یہ اغیار کی افواہیں ہیں

کس توقع پہ ہیں شیفتہ مایوس کرم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہیں ہیں

خوش رو بدخو ہیں کیا میں چاہوں
بیگانوں سے کیونکر آشنا ہوں

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
اے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں بن سلے نبا ہوں
بیگانہ آشنا نما ہوں

لیلے کہے سے بگڑ گئی تھی
دیوانہ میں جانکر بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بیوفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منت کش سایہ ہما ہوں

بیگانہ وشی ستم ہے ان کی
غیروں کو بھی یار جانتا ہوں

اس غیرت گل سے ربط معلوم
ہر چند میں ہمدم صبا ہوں

ہمدم نہ سہی محبت اس کو
اس بات پہ کیا اسے نہ چاہوں

دی غیر کو اُس نے کب عرق چیں
میں شرم سے آب کیوں ہوا ہوں

دیکھا نہیں مجھکو سنتے ہیں وہ
کیا پائے رقیب کی صدا ہوں

مکشوف ہوا فروغِ مے سے
ذرّہ میں کس آفتاب کا ہوں

میں **شیفتہ** ہوں عزیز دلہا
شیریں گفتار خوش نوا ہوں

عہدِ ثبات عہد پہ ہے متصل نہیں
ای شیفتہ نوید وہ پیماں گسل نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہار عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

مت چھیڑ اے رقیب کہ مانند زلفِ یار
سرتاپا شکستہ ہوں پر مضمحل نہیں

دل سختیاں سہے یہ کہاں نازکی تن
دل کے سنگدل تو بتانِ چگل نہیں

کیا روئیے کہ تذکرۂ سوزِ رشک سے
وہ گل عرق عرق تو ہے لیکن خجل نہیں

پتھر وہ اور ہے جسے مشکل ہے ٹالنا
فرہاد بے ستون تو سینہ کی سل نہیں

جو حال پوچھنا ہو تم اُس سے ہی پوچھ لو
مجھکو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں

بہلائے کوئی جا کے کہاں جی کو ہائے ہائے
صحرائے قیس گھر کے مرے متصل نہیں

لگ جاؤ ابتو آ کے گلے سب چلے گئے
اک **شیفتہ** رہا ہے سو وہ کچھ مخل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم تمکو غم نہیں
اپنے بھی مرگ مرگ تمنا سے کم نہیں

قاصد کے ساتھ بے ادبی ہوگی لاکلام
جز شکوہ اور کچھ مرے خط میں رقم نہیں

ہر شغل میں اہم ہے نگہبانی نفس
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

ہرگز نہ چھپائے چمن زار عشق میں
جو مرغ آتشیں نفس شعلہ دم نہیں

سو بار امتحان وفا کر چکے پر آہ
ابتک بھی دوستی تمھیں دشمن سے کم نہیں

حیرت فروغ آئینۂ دل ہے وصل میں
بے وجہ ہی عتاب کہ آنکھوں میں نم نہیں

افسون پیر دیر کی تاثیر ہائے ہائے
وہم و خیال میں بھی شراب و صنم نہیں

آنکھوں کو نے ہوس کہ رخ سادہ دیکھیے
سر میں ہوائے طرۂ پر پیچ و خم نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اُس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں
کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں

جلے کیا کیا نہ عرضِ سوزشِ داغِ نہانی میں
عجب آرام تھا ای شمع ہمکو بے زبانی میں

عدو سے بات کی جب حرف آیا بیدہانی میں
غرورِ حسن کم ہوتا ہی الطافِ زبانی میں

یہ احسانِ اجل ہی شمع دل جو گور پر لائے
یہ اُس کا کام ہی جو داغ رکھے زندگانی میں

کرم ہی مصلحت ظالم کہ شادی مرگ ہو جاؤں
ستم ہی فائدہ جب کام نکلے مہربانی میں

قلق سے نالۂ موزوں نکل گئے تو کہتے ہیں
تمھیں کیا غم کہ لذت ہے تمہاری شعر خوانی میں

عدو بھی شامل لذت ہیں اس سے کاش ہم ہوتے
مزا آتا نہیں مجھکو تری شیریں زبانی میں

عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل ہے
سزا ہے یہ ہمیں دعوی بہت تھا رمز دانی میں

بہک سکتے ہو تم بس اے شیفتہ ایسی ہی باتوں سے
کہ تم سر پاؤں پر رکھتے ہو وہ ہے سرگرانی میں

کب نگہ اس کی عشوہ بار نہیں
کب نگاہیں کرشمہ زار نہیں

غیر پر رحم یہ کیسے آیا
تم تو مانا ستم شعار نہیں

یہاں فغاں سے لہو ٹپکتا ہے
میں نوا سنج شاخسار نہیں

کلفت دل سے ہے جو آلودہ
گوہر اشک آبدار نہیں

ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
محفل پادشاہ سے عار نہیں

نہ جلا خانۂ عدو تو نہیں
شعلۂ آہ ہے شرار نہیں

باغ بے صرفہ چلکے کیا کیجے
جن سے تھی باغ کی بہار نہیں

بادہ بیہودہ پی کے کیا کیجے
اب وہ ساقی نہیں وہ یار نہیں

اے منجم عبث یہ نادانی
تو کچھ اندازہ داں کار نہیں

تو روش یاب مہر و ماہ غلط
تو ادا سنج روزگار نہیں

واقف اسرارِ آسمانی سے
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

چڑھ گئے ہیں کسی کے پھر دم پر
شیفتہ آج بیقرار نہیں

کون سے دن تری یاد اے بتِ سفاک نہیں
کونسی شب ہے کہ خنجر جگر چاک نہیں

لطف قاتل میں تامل نہیں پر کیا کیجے
سرِ شوریدہ میرا قابلِ فتراک نہیں

تجھ پر اے دلبر عالم جو ہر ایک مرتا ہے
اس لیے مرنے سے میرے کوئی غمناک نہیں

دل ہوا پاک تو پھر کون نظر کرتا ہے
اور دل پاک نہیں ہے تو نظر پاک نہیں

علم اور جہل میں کچھ فرق نہ ہو کیا معنے
ہم بھی بیباک ہیں پر غیر سے بیباک نہیں

قیس کو فضل تقدم ہے وگرنہ یہاں کیا
سرِ شوریدہ نہیں یا جگر چاک نہیں

ماسوی اللہ نہ رہے **شیفتہ** ہرگز دل میں
خسروی کاخ سرائے خس و خاشاک نہیں

کون ہے شہر میں جو کام ہوس یاب نہیں
کس جگہ زلف کی بو رخ کی تری تاب نہیں

مجھ پر اُس جلوے سے جو کچھ کہ گذرتی ہے نہ پوچھ
اسقدر شعلہ کبھی آفتِ سیماب نہیں

برق و باراں کے تلاطم کا کہاں تک مذکور
رخ پُر لوز نہیں دیدہ پُر آب نہیں

وضع کا حفظ ہے تو عشرتِ صحبت معلوم
بزم اغیار سے کم محفل احباب نہیں

اہل تحقیق کے نزدیک رخ زیبا کو
پردۂ شرم سے بہتر کوئی جلباب نہیں

سیر مہتاب کا واں عزم ہوا کیا موقوف
شب مہتاب میں لطف شب مہتاب نہیں

فیض حق عام ہوا افسردہ دل زار نہ ہو
دشت کیا جلوہ گہ لالۂ شاداب نہیں

خواب میں بھی وہ نظر آئے ہیں غیر کے ساتھ
تلخ عیشوں کو مقرر کہ شکر خواب نہیں

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رہزن کا
کیا وہ دریا کہ جہاں پیچش گرداب نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ شادی بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

تازہ تمکیں ہے وہاں صبر کی یہاں تاب نہیں
یہی صورت ہے تو کچھ بچنے کے اسباب نہیں

طرفہ نیرنگ محبت میں نظر آتے ہیں
برق آنکھوں سے ٹپکتی ہے پہ خوناب نہیں

ہائے وہ شوق ملاقات عدو میں جاگے
جس کی آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں

منع کیوں عشق مجازی سے ہمیں کرتے ہو
زاہد و دہر مگر عالم اسباب نہیں

جان کی شکل دکھائی ہے بنا کر تجھکو
دل کی تصویر بنائی ہے یہ سیماب نہیں

بحر و بر میں کہیں آرام نہیں خاطر خواہ
بحر میں خار نہیں دشت میں گرداب نہیں

کہیئے اعدا کی بھی کچھ دلشکنی ہے منظور
یہ تو مانا کہ تمہیں خاطر احباب نہیں

کلفت آلودہ نظر پڑتی ہے مشتاقوں پر
خسروی بزم میں بھی صرف مئے ناب نہیں

کل یوم ہو فی شان کی ہی جلوہ گری
اور وجہ شب تار و شب مہتاب نہیں

شکوہ آئین محبت میں ہی ایجاد لطیف
نسخۂ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہی نایاب پسند
جنس یہاں دل ہی سو نادر نہیں نایاب نہیں

شیفتہ عشق کی یہ دھوم اور ابتک حضرت
دل بیتاب نہیں دیدۂ بیخواب نہیں

جی جائے پر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
قدر وفا نہیں ہی اگر امتحاں نہیں

ہم بھی دکھاتے غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہی کہ تم بدگماں نہیں

جو دیکھنا ہو دیکھ لیں اختر شناس جلد
نالے اگر یہی ہیں تو پھر آسماں نہیں

اسرار عشق بھی جو حریفوں نے کہہ دیئے
پھر اب کوئی جہان میں راز نہاں نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے وہیں کا خیال ہے
جز شاخ سدرہ ہمکو سر آشیاں نہیں

واں شغل داستاں ہی یہاں داستان شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خواں نہیں

حرف درشت غیر سبک وضع بھی سہی
میں وہ ہوں جس پہ بار امانت گراں نہیں

رنگیں تھی بے گناہوں کے خوں سے سواد شہر
حال آنکہ وہاں ہنوز سر امتحاں نہیں

حکمت ہی ہو گی برق جو دے ہمکو جائے دل
بے مصلحت صلاح و فساد جہاں نہیں

کیوں عار بزم شاہ سے کرتے ہیں اہل فقر
کچھ فرش بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں

چلئے چمن کو بجم سحر جلوہ گر ہوا
پروین نہیں نبات نہیں کہکشاں نہیں

کیونکر سنیں وہ شہرت اگر کو بکو ہوا
افسوس کم شکیب مرا رازداں نہیں

آئینہ جلوہ گاہ پری ہے نہ دیکھنا
نظارۂ پری کی بشر کو تواں نہیں

ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ واں
فخر فضیلت و شرف دودماں نہیں

مشہور روزگار ہی محسود روزگار
بے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں

گر ہی فریب غمزۂ جادو اثر یہی
دلداری ایک شہر کی مشکل وہاں نہیں

کچھ ہم پر آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
کس کس کے دلپذیر وہ رعنا جواں نہیں

دل کا گلہ فلک کی شکایت یہاں نہیں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے راز عشق
حالانکہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں

زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
کچھ ورنہ ناز جان کے بدلے گراں نہیں

ہم زمرۂ رقیب میں ملکر وہاں گئے
جب شوق رہنما ہو کوئی پاسباں نہیں

آشفتہ مثل باد ہوں بیتاب مثل برق
کیونکر سعین چرخ تری شوخیاں نہیں

ہم آپ ہی ناز کریں کائنات کو
پر کیا کریں بساط میں جز نیم جاں نہیں

سامان وجد فتنۂ محشر کو دے دیا
وہ خاک پر ہماری جو دامن فشاں نہیں

کیوں ہیں ندیم دوست سفارش میں غیر کی
کیا ہمکو اُن سے رسم و رہِ امتحاں نہیں

اک حال خوش میں بھول گئے کائنات کو
اب ہم وہاں ہیں مطرب و ساقی جہاں نہیں

کس کس پہ رشک کیجیے کس کس کو روئیے
کس دن وہ جلوہ آفتِ صد خانماں نہیں

کیوں یہ ہجوم شور و شغب ہے نشور میں
ایسا تو شیفتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اُسمیں محو اور وہ سب سے علاحدہ
آئینہ میں ہے آب نہ آئینہ آب میں

معنی کی فکر چاہیے صورت سے کیا حصول
کیا فائدہ ہے موج اگر ہے سراب میں

نے بادِ نوبہار ہے اب نے شمیم گل
ہمکو بہت ثبات رہا اضطراب میں

حیرت ہے کیا نقاب ہیں گر رنگ رنگ کی
نیرنگِ جلوہ سے ہے تنوع نقاب میں

فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے
بازی میں حصہ صرف ہے شیشہ شراب میں

ذات و صفات میں بھی یہی ربط سمجھیے
جو آفتاب روشنی آفتاب میں

قطع نظر جو نقش و نگارِ جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

طُوبیٰ لہم جو کشتۂ عشقِ عفیف ہیں
کیا شبہ اُس گروہ کے حسنِ مآب میں

مرنے کے بعد ہی کہیں شاید پتا لگے
کھویا ہے ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں

پھر ہی ہوائے مطربی ہمکو شیفتہ
مدت گذر گئی ورع و اجتناب میں

شوخی نے تیرے لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں

آ نغمہ گر ہو چرخ میں لا آسمان کو
آ رقص کر زمین کو ڈال اضطراب میں

سو مہر کا فروغ ہی وہاں جلوہ گاہ میں
سو باغ کی شمیم ہی وہاں رخت خواب میں

وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی
رہزن کو یہ خیال کہ رہرو ہو خواب میں

اُس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو ربط و عود و رباب میں

ای وائے روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہی ہم نے شبِ ماہتاب میں

آتا ہی کون کون کہ آتے ہیں اب نظر
دربانِ انفعال میں حاجب حجاب میں

شرمِ گنہ نہ بیمِ عقوبت یہ رنج ہے
ہی ہی اُٹھائی اُس نے اذیت عتاب میں

پوچھی تھی ہم نے وجہ ملاقات مدعی
اک عمر ہوگئی اُنھیں فکرِ جواب میں

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہمکو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں

ناچار ہیں خموش وہ ناحق عتاب میں
طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں

بوسے کئے قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو
ایسا نہ ہو کہیں پڑے جھگڑا حساب میں

بیباک کسقدر ہے کہ ڈوبا ہوا ہی سب
دامن لہو میں اور گریباں شراب میں

شاید کہ پڑ گئی ہے کسی شیخ کی نظر
ہم نے دھڑک جو کرتے ہیں توبہ شباب میں

آخر جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے
اچھا نہ آئیں آپ شبِ ماہتاب میں

ای آفتِ زمانہ ترے دور میں شکیب
بلبل کو باغ میں ہی نہ ماہی کو آب میں

ہوتا ہی اژدہام تمنا اُسی قدر
ہوتی ہی جتنی دیر کشادِ نقاب میں

جورِ و ستم عیاں ہی وفا و کرم نہاں
لڑتے ہیں جاگتے میں مناتے ہیں خواب میں

بیباک شیوہ شوخ طبیعت زباں دراز
ملزم ہوا ہی پر نہیں عاجز جواب میں

اُس نے دمِ وداع کئے عہدِ التفات
افسوس میں نے کچھ نہ سُنا اضطراب میں

تکلیف شیفتہ ہوئی تمکو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

گو کچھ خلل نہ آئے تمہارے فراغ میں
حسرت کا ہی ہجوم دلِ داغ داغ میں

مشاطہ باغباں کی طرح بیقرار ہے
میں اُن کے پاس کیا ہوں کہ گلچیں ہے باغ میں

پہلے نہ تھا جہاں میں دلِ داغ دار کیا
مشہور اسقدر جو ہوا لالہ داغ میں

جورِ ادیب و شوقِ حبیب و غمِ نشور
اپنا کوئی زمانہ نہ گذرا فراغ میں

صہبائے لالہ فام کہاں اور ہم کہاں
خونابۂ جگر ہی ہمارے ایاغ میں

معلوم ہی کہ ایلچیوں کو زیاں نہیں
قاصد نہ بھیجیو ہرگز بلاغ میں

فانوس شیشہ و لگن زر سے کیا حصول
وہ ہی وہاں جہاں نہیں روغن چراغ میں

نہ طاقت شکیب نہ اندازہ ستیز
بیجا ہی اہتمام تلاش سراغ میں

اُس نوبہار حسن کو بدنام مت کرو
تھے شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

پائی ہی بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پر ہوئی ہی تجلّی چراغ میں

اُس کا پتہ ملے تو ہمارا پتہ ملے
کھویا ہی ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں

مشکوئے شہ ہوا سے ہی پر عیش وہاں کہاں
عشرت فقط نصیب ہی کنج فراغ میں

عارف نہیں وہ حفظ مراتب جسے نہو
جو جلوہ باغ میں ہی کہاں ہی وہ راغ میں

ہرچند ایک نور سے روشن ہی بزم دہر
جو نور مہر میں ہی کہاں وہ چراغ میں

ایک قطرہ جس کا مست کرے کائنات کو
ای بے خبر وہ می ہی ہمارے ایاغ میں

بلبل نے گل کبھی نہیں دیکھا جو دیکھ لے
زنہار پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں

سو بار اُن لگاؤ پڑھو حسن دوست پر
سامان صد بہار ہی ایک ایک داغ میں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ

معشوقہ ساتھ ہی نہ خلل ہی دماغ میں

عید ہی اور ہمکو عید نہیں
اگر آ جایئے بعید نہیں

لاش تیری رسید تھی خط کی
خط کی یہ نامہ بر رسید نہیں

قیس کو جو کہے خفیف العقل
رائے اُس شخص کی سدید نہیں

گریہ ہی ہی ہجوم ابرِ سیاہ
گر کوئی مے پیئے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں اندنوں مقبول
لیکن اغیار بھی طرید نہیں

آج بھی منع بادہ اے زاہد
تیرے نزدیک عید عید نہیں

ذکر میرا سنو نہ مجنوں کا
لطف ہے قصہ جدید نہیں

دور ہیں اسکے چشم و مژگاں کی
کس جگہ تربتِ شہید نہیں

نیند آئی رقیب آتا ہے
رخصت اتنی تو ہم بلید نہیں

شیفتہ اور بھی ہیں نغمہ سرا
پر یہ آہنگ یہ نشید نہیں

ہی گو نہ شک ابھی عفو گناہ میں
جو ہی زبان پردہ نہیں ہی نگاہ میں

تمکین اضطراب ہی بیداد التفات
کیا شوخیٔ اثر ہی سراسیمہ آہ میں

ہر خار و خس ہی وعدہ میں ہر سنگ و خشت مست
کیا میکشوں نے آکے کہا خانقاہ میں

دشمن سے بھی زیادہ ہی گو دوست کیوں نہو
ملجائے جو کوئی ترے کوچہ کی راہ میں

سرگشتہ انکے پھرنے سے ارباب درد ہیں
کیا فرق چرخ اخضر و چشم سیاہ میں

صیاد دلفریب کا اللہ رے لطف عام
بے زخم ایک صید نہیں صیدگاہ میں

ہی مجھمیں اور غیر میں نسبت وہی جو ہی
اندیشۂ درست و خیالِ تباہ میں

دن رات جکو دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی نہ ماہ میں

یہاں بے زوال نعمتِ کمیاب عشق ہی
دعوی ہی بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں

ہی جلوہ گر کرشمہ کہ انصاف پیشگی
ہلدی لگی ہوئی ہے سرِ دادخواہ میں

تجھکو نظر نہ آئے تو اپنا علاج کر
ہی مرغزار جلوہ نما برگ گاہ میں

دھوکا مجھے کو صرف نہیں میل یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

ہر شیوہ اُس کا اپنی جگہ میں تمام ہی
اعجاز بات میں ہی تو جادو نگاہ میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہی کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہی نہ لذت گناہ میں

ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو
تقصیر ہو کسی سے کسیکی معاف ہو

ہرگز ترے لبوں سے نہ چھوٹیں گے کام دل
سو بار اہیں غیر سے گو لام و کاف ہو

دل دینگے مال دینگے مگر جان سو بجز
بیہودہ ہی وہ شخص جو سرگرم لاف ہو

کافی ہی خوش گذرنے کو دنیا میں اسقدر — معشوق خوش مزاج ہو وجہ کفاف ہو

موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا — حسن و جمال میں جو کوئی یہاں مضاف ہو

ہی رشک یار عام غضب کیا عجب اگر — کنج خمول میں ہوس اعتکاف ہو

گر عفو ہو قصور تو لک عرض ہی ہمیں — یہ عرض ہی قصور ہمارا معاف ہو

غالب ہی کچھ تو فرق پڑے وہاں کی سیر سے — وحشت میں گر گذار میرا سوئے قاف ہو

رفتار چرخ ہی اسے شیوہ پہ دور کیا — گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو

ہاں تو شگاف در سے لڑا آنکھ عجز سے — تیری بلا سے ولیں کسی کے شگاف ہو

جو قیس کی روش تھی وہی اپنی راہ ہی — دونوں سلیم فکر ہیں کیوں اختلاف ہو

وہ طرز فکر ہمکو خوش آتی ہی شیفتہ
معنی شگفتہ لفظ خوش انداز صاف ہو

فروغ مہر نہ ہو رخ پہ گر نقاب نہو — نقاب اُٹھا کہ یہ لمعانِ آفتاب نہو

بھرے ہیں رنگ تکلف سے اہلِ میخانہ — شراب بس ہی نہیں ہی اگر کباب نہو

کہیں نہ جانے بت مہروش یہ ممکن ہے — خلل پڑے متحرک جو آفتاب نہو

ہی دلکو شکر وفائی عدو سے بیتابی — کروں میں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہو

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی — جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح باب نہو

عزیز ہی بت میکش کو چشم تر یعنی
نہو سحاب تو کیفیت شراب نہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدہ میں رند
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہو

وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہی شب ماہ
خلاف شان ہی رخ پر اگر نقاب نہو

غضب ہی قہر ہی دیکھے وہ چشم یہ جلوہ
جسے کہ مہر کی بھی دیکھنے کی تاب نہو

وہ روئی نالہ موزوں شیفتہ سنکر
یہ وہ غزل ہی کہ جس کا کبھی جواب نہو

غیر سے حرف تمنائے جفا کہتے ہو
کس سے کہتے ہو تمھیں خیر ہے کیا کہتے ہو

زندگی خاک ہو جب فہم میں اتنا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں تم جسکو حیا کہتے ہو

کہتے ہیں لاف وفا موت سے پہلے کیسی
ہم نہیں جانتے تم کسکو وفا کہتے ہو

گلہ جور پہ کہتے ہیں رہے نا فہمی
ناز ہم کرتے ہیں تم اسکو جفا کہتے ہو

شیفتہ شکوہ دشمن سے بس آگے نہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہی تم کسکو برا کہتے ہو

توسن ناز اٹھاتے کیوں ہو
خاک میں شہر ملاتے کیوں ہو

ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
عشق سے مجھکو ڈراتے کیوں ہو

تاب نظارہ نہیں پہلے ہی یہاں
تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو

میرے نزدیک ہو لیلیٰ سے سوا
قصۂ قیس سناتے کیوں ہو

حاصل اس سلسلہ جنبانی سے
پائے خوابیدہ جگاتے کیوں ہو

عرضِ غم حوصلۂ غیر کہاں
مجھ سے تم بات بناتے کیوں ہو

آتشِ عشق کہیں بجھتی ہے
شیفتہ اشک بہاتے کیوں ہو

ربط واں ہاتھ کو جیب غیر کے داماں سے ہو
کیوں نہ یہاں ہاتھ کو پھر ربط گریباں سے ہو

جلوۂ دوست اگر دیکھے تو میرا دعویٰ
پھر پریزاد کو وحشت اگر انساں سے ہو

جو خوشی خط سے تمہارے ہوئی اس سر کی قسم
وہ شہ ہند و شہ روم کے فرمان سے ہو

حسن کیا رکن امارت ہے کہ ممکن ہی نہیں
ربط اُن سے نہ کرے کوئی جو ارکاں سے ہو

میں نہیں جانتا آپ آئیں وہ یا خط بھیجیں
پر مرے دل کو تسلی کسی عنوان سے ہو

ہر ورق میں ہے عیاں جلوۂ نیرنگِ بہار
کیوں نہ دیوانوں کو شورش مرے دیوان سے ہو

چھیڑ دیکھو کہ کہا دونوں کو ذلت ہو نصیب
پر نہ تجھے غیر سے ہو غیر کو درباں سے ہو

کس نے تاراج کیا ملکِ دل و دیں کہیے
آج تم شیفتہ کچھ بے سر و ساماں سے ہو

اضطرابِ جرس ہے کیوں دل کو
کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو

بوسۂ لب نہ مانگنا دشمن
گل کو ہے اُس کے کان سے تشبیہ
غمزہ تیرے چشم کا فر کا
تجھ سے اے رشکِ حور جو دوں تشبیہ
اب وہ تو خط ہے ملتفت دیکھا

منہ لگاتا ہے کون سائل کو
کیا سُنے نالۂ عنادل کو
سمجھے اعجاز سحرِ بابل کو
نہو نقصان ماہِ کامل کو
نقشِ تسخیر خطِ باطل کو

ہائے وہ **شیفتہ** کی بیتابی
تھام لینا وہ تیری تحمل کو

اے فلک یوں کامیاب عیش کر پرویز کو
سعی وصفِ نازنیں ہی فکر کی شدیز کو
دیکھکر چشمِ غضب کو اُس کے میں نے رو دیا
سانپ کے سونگھے ہوے سے بے خبر ہوں مجھے
کب ہوئیں گستاخیاں آداب دامانِ عشق سے
نالۂ موزوں کی بے پروا خرامی دیکھنا
کیوں نہ شادی مرگ ہونا کام مجھسا دیکھکر
خطِ آزادی تھا نامہ غیر کا اے جوشِ رشک

خواب شیریں بھی نہو فریاد شور انگیز کو
شوخیاں ابرو سے لینی چاہیئے مہمیز کو
چاہیے پانی ملا لینا شرابِ تیز کو
سونگھ لینے دو شمیم زلف عنبر بیز کو
دیجیے تعزیر اپنی تمکین ہوس انگیز کو
کر دیا خلوت نشیں غوغائے رستا خیز کو
زخم کے مُنہ میں زبانِ خنجرِ خونریز کو
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دست آویز کو

اہلِ محفل کی پسندِ طبع یہ انداز ہی
شیفتہ کسکو سناتے شعر درد آمیز کو

کچھ تو شیریں کام کر تلخی کشِ بیداد کو
دے کفن تو عشقِ شیریں باف کا فرہاد کو

آہ و زاری نارسا شوقِ اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو

تلخ کامِ عشقِ شیریں بھی ہوئی پایانِ کار
یہ نویدِ شور افزا بھیجئے فرہاد کو

کہتے ہیں زیرِ زمیں لیلی و مجنوں مل گئے
ہمکو بھی لازم ہی جانا وہاں مبارکباد کو

اک دمِ شمشیر سے آزار سب جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اے دل جو ہو سو ہو نہ دے گرمِ فغاں نہو
یہ جورِ یار ہے ستمِ آسماں نہو

دلبستگی جو ایسی ہی قاصد سے کیا عجب
گر حلقِ زخم خوردہ سے بھی خوں رواں نہو

مہر و وفا جو ماہ وشوں سے بعید ہے
راضی ہیں ہم ایسیں کہ نا مہرباں نہو

کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہو

صدق و صفا و مہر و وفا وہاں نہ ڈھونڈھنا
جس شہر و دیہ میں کہ سرائے سناں نہو

آئی ہی فصلِ گل میں چمن سے ہوائے گرم
صیاد نے جلایا کہیں آشیاں نہو

کیا ہو دعائی مرگ میں اس شخص کو حجاب
جو نیم کشتِ خنجرِ دردِ نہاں نہو

صوتِ حزیں سے کچھ ہو نہ شکلِ جمیل سے / گر صاحبِ معاملہ آزردہ جاں نہو

ایما ہی سب کو چشمِ سخنگو سے **شیفتہ** / پھر میرے قتل پر کوئی کیا ہمزباں نہو

ہی بد بلا کسیکو غمِ جاوداں نہو / یا ہم نہوں جہاں میں خدایا یہاں نہو

آئینِ اہلِ عشق کہاں اور ہم کہاں / ای آہ شعلہ بار نہو خوں چکاں نہو

فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہی / ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہو

تدبیر ترکِ دشمنِ جاں کی ہی رات دن / کس طرح پھر مجھے گلۂ دوستاں نہو

کیا وہ متاع جسکی نہو کوئی گھات میں / ڈرتا ہوں میں جو دزدِ پسِ کارواں نہو

جب تک فروغِ می سے نہو سینہ نورزار / ہرگز حریفِ میکدہ اسرار داں نہو

لازم ہی یار بھی تو ہو بیتاب ورنہ کیا / وہ عشق ہی کہ رنج یہاں ہو وہاں نہو

ناحق وہ جی جلاتے ہیں سودائے عشق پر / جن کو یہ سوچ ہی کہ کچھ اسمیں زیاں نہو

ہم ہوئے دوست تجھکو سنگھائیں گے **شیفتہ** / محوِ شمیمِ طرّۂ عنبر فشاں نہو

تہمت لگا کر اُنکو کوئی کیا خجل نہو / وسواس ہمکو جب ہو جو آئینہ دل نہو

تقوے میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک / صحبت سے اپنی کوئی ملول و خجل نہو

زنجیر آدھی رات کو کھڑکائے اور کون
تنہا ملا ہے یارِ زمانِ دراز میں
افسردگی کے اپنے جو گرمِ بیاں ہوں ہم
دشمن کے افترا سے رہائی محال ہے

اے جذبِ اشتیاق وہ پیماں گسل نہ ہو
اے فرطِ جوشِ شوق بس اب تو مخل نہ ہو
آتش کبھی جہان میں پھر مشتعل نہ ہو
گھر بار کا جو گھر کے مرے متصل نہ ہو

پھر دلبری میں گرم ہی دلدار شیفتہ
ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہانِ دل نہ ہو

اتنی جمیل سے تو کبھی اُنس و خو نہ ہو
ہی گل کا رنگ تجھ سے مشابہ نہ دیکھیے
سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکال دیں
جانا کہیں ہو جاتے تھے یا تیرے گھر کی راہ
یا غیر سے بھی خوش تھے کہ تیرا تو دوست ہے

ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہ تو نہ ہو
بچیے صبا سے بھی کہ کہیں تیری بو نہ ہو
یہ آرزو ہی اب کہ تری آرزو نہ ہو
یا اب یہ ڈر ہی راہ میں تو روبرو نہ ہو
یا اب خفا ہوں اُس سے جو تیرا عدو نہ ہو

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑ دو
ملجائے تم سے شیفتہ ایسا کبھو نہ ہو

کچھ پیچ و تاب دل کا جبیں پر اثر نہ ہو
سامانِ عیش جمع مگر ہم کو اجتناب

اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیشتر نہ ہو
کیا کیجیے جو حکمِ قضا و قدر نہ ہو!

اُن کو وہ لافِ مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں
ہمکو گر اہتمام تلاشِ خبر نہو

ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا
جو بات عیب کی ہی وہ ہرگز ہنر نہو

ہم وہ نہیں کہ اُس کو بھی رکھیں حساب میں
جس آہ کا کہ چرخ نہم تک گذر نہو

کیا تاب ہی کہ تابِ مژگاں ہو جلوہ گر
جس قطرۂ سرشک میں لختِ جگر نہو

امیدوار جلوۂ معنی غلط نہیں
جو نکتہ فہم محوِ نقوش و صُور نہو

ہر چند مجھ سے نے سبب آزردہ ہی مگر
ڈرتا ہوں میں منانے سے آزردہ تر نہو

ہیں آنے والے شیفتہ کچھ دوست اور بھی
مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہو

جب تک وہ مہر جلوہ یہاں جلوہ گر نہو
لاکھ آفتاب سے شبِ ہجراں سحر نہو

کیا مانگتے ہو جان بہت لوگ دے چکے
وہ بات ہم سے کہیئے کہ حدِ بشر نہو

کسکو کیا پسند نہ کیونکر کروں پسند
مجھکو نظر نہو جو غرورِ نظر نہو

یہ شوق ہرزہ تاز بہت منفعل کرے
دربان دیدِ دوست ہمارا اگر نہو

میخانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر
وہ شام جسمیں پرتوِ فیضِ سحر نہو

آئینِ تازہ کینہ و رسم ادا ستم
معشوقہ نے ہنر ہے جو بیدادگر نہو

یاروں کو رنج ہو یہ گوارا نہیں مجھے
ایسی جگہ مروں کہ کسیکو خبر نہو

اُن کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بیقرار — وہاں کچھ نہو تو جوش یہاں اسقدر نہو

وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں — لیکن یہ شرط ہی کہ نہیں کچھ اثر نہو

اُڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سُنی ہی آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہو

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو — چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

کیا عجب دو رہو آتش سے حرارت لیکن — ہی عجب اُنکی اگر دل سے شرارت کم ہو

منع کی حرص پر انسان ہوا ہی مجبول — ناصحو دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

جان پُر مشغلہ فارغ ہو جو تم کو دیکھے — دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو

شمع رویوں سے بڑھا ربط بڑھی ظلمت دل — ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو

اثر عشق کی افسانے جو سُن رکھے ہیں — حکم عشاق کو ہی یہ کہ محبت کم ہو

ہم نے دیکھا ہی وہ صیقل کدہ اللہ اللہ — کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو

نغمہ پُر درد ہی شورش سے افاقت معلوم — بادہ پُر زور ہی کیا نشہ کی شدت کم ہو

شیفتہ کیسی ہی معنی ہوں مگر نامقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اُٹھ صبح ہوئی مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ — نور سحر و حسن گل و لطف ہوا دیکھ

دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق
ای غیرت ناہید نہ ہو نغمہ سرا دیکھ

منت سے مناتی ہیں مجھے میں نہیں منتا
اوضاع ملک دیکھ اور اطوار گدا دیکھ

گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
ایک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ

عاشق بھی سہی پر کوئی فرہاد سا ہو گا
کاشانۂ دشمن میں نہ ہو جلوہ نما دیکھ

اتنی نہ بڑھا پاکئ دامن کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ایک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
اے **شیفتہ** مایوسی امید فزا دیکھ

کہوں میں کیا کہ کیا درد نہاں ہے
تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

شکایت کی بھی اب طاقت کہاں ہے
نگاہ حسرت آہ ناتواں ہے

نشان پائے غیر اس آستاں پہ
نہیں ہے میرے مرقد کا نشاں ہے

اجل نے کی ہے کس دم مہربانی
کہ جب پہلو میں وہ نامہرباں ہے

تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
اب آئینے سے وہ صحبت کہاں ہے

یہ کس گل رو کا عالم یاد آیا
دم سرد اک نسیم بوستاں ہے

ہوئی بیتابئ بلبل سے شورش
کہ گھبرایا ہوا کچھ باغباں ہے

سحر ان کو ارادہ ہے سفر کا
قیامت آنے میں شب درمیاں ہے

کوئی یہاں لاؤ اُس عیسیٰ نفس کو
کہ مرتا شیفتہ نام اک جواں ہی

یاد آے گی جو عطر فشاں اُسکی کو نے مجھے
لیجاے گی بہشت میں گلشن کی بو نے مجھے

اے چرخ تیری دور میں انصاف ہی یہی
وصلِ صنم عدو کو ہو رشکِ عدو نے مجھے

رحم ای ہجوم شوق کہ سنبل سے باغ میں
یاد آئیگا وہ طرۂ تابیدہ مو نے مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقت قتل
شاید کہ آبِ تیغ سے ہوگا وضو نے مجھے

تا صبح حشر بخت مرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آکے جگائے جو تو نے مجھے

تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطر فتنہ کی آتی ہی بو نے مجھے

تابِ وصال اُس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ اے خلشِ آرزو نے مجھے

جاتا ہوں کوے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہی تری جستجو نے مجھے

وہ مانعِ تپش ہی کہیں شوقِ اضطراب
بھاتی نہیں ہی شیفتہ ایسی بھی تو نے مجھے

اگلی رشک اُنکو یاد آنے لگی
ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

کچھ بناوٹ سے تو نہیں یہ غش
تم مجھے عطر کیوں سنگھانے لگے

ہیرے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
بارے غیروں کو بھی جلانے لگے

تلخ کامی کی گر کہیں لذت
چرخ غالب کہ زہر کھانے لگے
میرے رونے میں تو نہیں تاثیر
غیر پھر اشک کیوں بہانے لگے
غیر سے کب ہوا ہی ترک کلام
باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے
ق
ہم جو تحریک ناتوانی سے
قصّہ ہاے ستم سُنانے لگے
ہنسکے کہنے لگے کہ ہاں سچ ہے
تم مرے ناز کیوں اُٹھانے لگے

وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
جس کو زہرہ بھی سُن کے گانے لگے

اور اُلفت بڑھ گئی اب اُس ستم ایجاد سے
اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے
غیر کو اندوہ فرقت اب مبارک ہو کہ یہاں
دھیان جاتا ہی نہیں اُسکا دلِ ناشاد سے
عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہی ضرور
کسکو امیدِ اثر ہی نالہ و فریاد سے
مجھ سے کیا کیا شاد ہوگی روح قیس و کوہکن
پھر نظر آتے ہیں کوہ و دشت کچھ آباد سے
ہیں وہ قابو میں عدو کے بس یہی تدبیر ہے
جا ئیں اُسکے پاس نالاں یار کے بیداد سے
رشک آزادی پہ ہی ایسے اسیروں کی مجھے
چھُٹ گئی جو جان دیکر پنجۂ صیّاد سے
ڈوب مرنے کی جگہ ہی عنسل صحت ہجر میں
رہ گئے دیتا ہوں احبّا کی مبارکباد سے
وہ قتیلِ تیشہ ہی میں کشتۂ ابروے یار
یار بیجا مجکو نسبت دیتے ہیں فرہاد سے

چھیڑتے کیوں ہو مجھے جانے دو ان باتوں کو بس
تم بھلا جاتے رہو گے شیفتہ کی یاد سے

پھر محرک ستم شعاری ہے
پھر اُنھیں جستجو ہماری ہے

پھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم
پھر وہی چشم و شعلہ باری ہے

پھر وہی جوشِ نالہ و فریاد
پھر وہی شور آہ و زاری ہے

پھر خیالِ نگاہ کافر ہے
پھر تمنائے زخم کاری ہے

پھر وہاں طرز دلنوازی ہے
پھر یہاں رسم جاں نثاری ہے

پھر وہی بیقراری تسکیں
وہی تسکینِ بیقراری ہے

پھر جفا وہاں وفا ہوئی پھر یہاں
ناامیدی امیدواری ہے

جس کے جور و ستم بھی یاد نہ تھے
پھر ہمیں اُسکی یادگاری ہے

پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے
پھر وہی وضع گر تمھاری ہے

شیفتہ پھر ہے ننگ عزت سے
پھر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

وہاں پہنچنے کی منت دمِ صبا پر ہے
کہ شوق سے مرے خط کے لیے ہوا پر ہے

عدو کو آگے مرے مسکرا کے ذبح نہ کر
کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پر ہے

رض ہو جس کے سبب سے غضب ہے وہ یہ کہے
رقیب کہتے ہیں اس جور پہ نباہتے ہو
خفا ہوے ہیں عدو اپنی ہی بری خو سے
خیال تھے اثرِ جذبِ دل سے کیا کیا آج

جئے جئے نہ جئے زور کیا قضا پر ہے
قیامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے
تجھے گمان بدای بدگماں حیا پر ہے
ہزار خون ہوس گردنِ حنا پر ہے

رقیب سے ہی جفای حبیب کا شکوہ
تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے

فصل گل ہے میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے
محو لیلیٰ ہے یہ مجنوں چارہ سازوں سے کہو
کشمکش اس جیب سے دستِ جنوں بیفائدہ
نرگستاں چاہیے نی چاہیے سنبل کدہ
جاے سبزہ سبزۂ خط قد موزوں جاے سرو
شاہدانِ دلربا اتنی نہیں دشوار جو
ہر غزل اپنی بیاضِ چشم آہو پر لکھو
نغمہ ہاے گلفشاں کو سمجھیں کیا زاغ و زغن
گرد کلفت خاک صحرا دشنۂ غم نوک خار

تو یہ زولیدہ زیبِ طاقِ نسیاں چاہیے
اس کے رہنے کے لیے یوسف کا زنداں چاہیے
غیر کا زور آزمائی کو گریباں چاہیے
چشم فتاں چاہیے زلفِ پریشاں چاہیے
یہ گلستاں ہو تو ہاں سیرِ گلستاں چاہیے
صرف انکے مال و جاں ناموس و ایماں چاہیے
جیسے دیوانے ہیں ہم ایسا ہی دیواں چاہیے
داد دینے کو مری مرغِ خوش الحاں چاہیے
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیاباں چاہیے

جان دی ہی ہم نے دردِ ہجر گلرخسار میں
نعش کے ہمراہ بلبل مرثیہ خواں چاہیے

اکثر ایسے وقت کم آتے ہیں اربابِ غلل
مے کشی کا شغل وقتِ ابرِ باراں چاہیے

جس روش میں کی خواہش خواہ نیک و خواہ بد
اُسمیں جد و جہد تا سرحدِ امکاں چاہیے

گر سلوکِ راہِ حق پیشہ ہی ای روحی فداک
جذبِ بے اندازہ وسعی فراواں چاہیے

پایۂ کم پر شریفوں سے قناعت ننگ ہی
بایزیدی زہد ہو شبلی کا عرفاں چاہیے

جسم سے ہو معنیٔ روحِ مجرد آشکار
لفظ سے ہو صورتِ معنی نمایاں چاہیے

اور اگر شیوہ معاذ اللہ رندی کا ہوا
کام ناقص ہی مگر کب اسمیں نقصاں چاہیے

نغمۂ نے کا گذر ہو پردہ گاہ زہرہ تک
موجۂ مے کا اثر تا بامِ کیواں چاہیے

آبرو رونے سے ہی پہ فخر یکتائی نہیں
شیفتہ مژگاں تر خونابہ افشاں چاہیے

کیونکر مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہی اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے

اتنی بھی بُری ہے بیقراری
اب آپ سے اُنس کم کریں گے

جوشِ وحشت میں اسے پری رو
بس تیرا ہی نام دم کریں گے

نوبت ہی تو سب امور میں ہو
اب غیر پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا میرے نہ ذکر کرنا
آرام کی فکر اب ہوئی ہے

قاصد وہ بہت الم کریں گے
تم سے نہ ہوا وہ ہم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی استاد
ہم قصد سوئے عجم کریں گے

دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
کیا اثر نالۂ شبگیر ہے

جو کہ ہوا محو تجلیِ ذات
خاکِ در اُس شخص کی اکسیر ہے

واہ ترا جلوۂ حیرت ادا
آئینہ عشّاق کی تصویر ہے

وجہ توقف اجلِ جاں فزا
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے

چھوڑ دے وہ تو بھی میں کیونکر چھٹوں
کشمکشِ زلف گرہ گیر ہے

کھیل ہی کچھ یہ کہ دکھا دوں تمھیں
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

غیر پہ پڑتی ہیں خدنگِ نگاہ
سینہ میں میرے خلشِ تیر ہے

خط کے نہ لکھنے کا لکھوں کیا گلہ
خامہ و کرمِ تحریر ہے

کیا لکھوں احباب کی آہن دلی
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے

غیر بھی کیوں تم سے نباہیں گے گر
جرم وفا قابلِ تعذیر ہے

نغمہ سرا کون سا یاد آگیا
نالہ میں آوازِ بم و زیر ہے

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے | کہا جو ڈر ہے مجھے ایسی مہربانی سے

یہی ہے شکر کہ دل کی نظر تو روشن ہے | نظر تو خیرہ ہوئی برق لن ترانی سے

ہزار باتیں بناؤ ملے ہو غیر سے تم | نشان ہمکو ملا گم ہوئی نشانی سے

محبت اس خفگی سے عیاں ہے اے گلرو | کہ رنگ لطف ٹپکتا ہے بدگمانی سے

میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصف دہن | وہ ہونٹ کاٹتے ہیں اپنی نکتہ دانی سے

سوائے پیر مغاں اور ظرف کس کا ہے | کہ بہرہ ور ہو گدا جام دوستگانی سے

تمنا طلب ہے عجب کام ہے دل بیتاب | کہ دل گرفتہ ہے دلدار دلستانی سے

کسی کی نرگس بیمار نے کھو دیئے ہیں ہوش | یہ بیخودی نہیں صہبائے ارغوانی سے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتش گل | یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے

یہ ہے نصیحت پیراں کار افتادہ | کہ بد بلا ہے جوانی ڈرو جوانی سے

وہاں تو شیفتہ مطلوب ہے خوش اغانی
نہ نکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے

شب ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے بوسے | دیں گے وہ مگر زلف گرہ گیر کے بوسے

اللہ رے کافر کی نزاکت کہ اڑا رنگ
ہم نے جو لیے رات کو تصویر کے بوسے

اس جرم سے قاتل نے لہو اس کو چٹایا
بسمل نے لئے تھے لب شمشیر کے بوسے

منہ موڑ مری جانب وہ چلے آتے ہیں گویا
نالہ نے لیے شب رخ تاثیر کے بوسے

وہ چومتے ہیں ہاتھ ادہر اور ادھر میں
سوفار کی لیتا ہوں جگر چیر کے بوسے

دل نیشتر رشک سے ہوتا ہی مشبک
زنبور نہ لے اس ہدف تیر کے بوسے

نامہ کو مرے یار نے آنکھوں سے لگایا
ملجائے تو لوں نامۂ تقدیر کے بوسے

کرتا ہوں جو تعریف میں اس تنگ دہن کی
لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

یوں خاک نہ کرتا اگر اس لب کے نہ لیتے
ہم شیفتہ آگے فلک پیر کے بوسے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے
دیتے ہیں نہ ہر چارہ گزیں تیرے واسطے

انصاف کر کہ چرخ کو کیا مجھ سے کام تھا
ساری اذیتیں مجھے دیں تیرے واسطے

افغان دلخراش سے تو ہی جو بیقرار
اپنی سی آپ ہمکو ہی کیں تیرے واسطے

تو کیا ہم آپ کہتے ہیں ہم نے برا کیا
سب کی برائیاں جو سہیں تیرے واسطے

جب لب کے غیر بوسے لیں اس لب سے شیفتہ
کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

عشق ذلت ہی تو ذلت ہی سہی
میری ذلت تری عزت ہی سہی

میرے آزار کی تہمت ہی سہی
تمکو الفت ہی تو الفت ہی سہی

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام
عشق کی آپسے نسبت ہی سہی

ہمکو بھی شوق ہے نظارے کا
دیکھنے کی تری عادت ہی سہی

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہو
نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے
قتل کی میرے ندامت ہی سہی

ہم نے بھی طرز صبا سیکھی ہے
تیرے بن لگ چلنے کی خصلت ہی سہی

سب فسانے کا نہیں ہے جو دماغ
ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکیبی کی دعا مانگیں گے
صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے جو ہو جاے وصال
وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی

ازدحام غم و رشک و حرماں
پھر بھی فرصت ہی تو فرصت ہی سہی

بخت ناساز کا ہوں شکوہ سرا
انکے پردے میں شکایت ہی سہی

کیجے اغیار سے ملنا موقوف
مجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی

وصل اغیار سے ملنے وجہ نہیں
میرے مرجانے کی عبرت ہی سہی

دعوی الفت و بیتابی حیف
گر اذیت ہی اذیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
غیر اُن سے تمھیں نفرت ہی سہی

مجھ تازہ گرفتار نے فریاد زبس کی
جاں اُڑ گئی بس کہ اسیرانِ قفس کی

پھر شکل نظر آئی مجھے دام و قفس کی
پھر دل نے مرے طرۂ خوش خم کی ہوس کی

ہی رحم تو اُس بیخود و بیتاب پہ لیلیٰ
جو اپنے ہی نالہ کو کہے بانگ جرس کی

بے رنگ ہی کیا سبزۂ خط شمع رخوں کی
یعنی ہے منافات بہم شعلہ و خس کی

غیروں سے اُسے بات نہ کرنے دوں میں لیکن
یہ بات نہیں ای مرے ہمدم مرے بس کی

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہی کہ لوں دھجّیاں اربابِ ہوس کی

ای شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیرِ طریقت
گو عمر ہی تیری ابھی اکیس ۲۱ برس کی

دستِ عدو سے شب جو وہ ساغر لیا کیے
کن حسرتوں سے خون ہم اپنا پیا کیے

شکرِ ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے

کب دل کے چاک کرنے کی فرصت ہمیں ملی
ناصح ہمیشہ چاک گریباں سیا کیے

تشبیہ دیتے ہیں لبِ جاں بخش یار سے
ہم مرتے مرتے نام مسیحا لیا کیے

ذکرِ وصالِ غیر و شبِ ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے ہمیں طعنے دیا کیے

تھی لحظہ لحظہ ہجر میں اک مرگ نو نصیب
ہر دم خیال لب سے ترے ہم جیا کیے

طرز سخن کسے وہ مسلم ہی شیفتہ
دعوے زبان سے نہ کیئے میں نے یا کیئے

اُس کا دل گر مرے جلنے سے پگھل جاتا ہی
بل ابھی شمع کے رشتہ کا نکل جاتا ہی

رشک سے رنگ میں تغیر جو پائی تو کہا
تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہی

بھیجکر کسکو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پہ کب سوے اجل جاتا ہی

صدقے اس غوش حرکاتی کے سحر چھیڑنے کو
شب کو سوتے میں مجھے عطر وہ مل جاتا ہی

میں تو وہ گرم رہ آہ طلب ہوں کہ اگر
وہاں جائے تو لب بام ابھی پھسل جاتا ہی

ہجر میں وصل اجل کا کوئی جاتا ہی خیال
چارہ گر جان ہی لیکر یہ خلل جاتا ہی

ہنستے ہنستے جو رکاوٹ تری یاد آتی ہی
اشک گرتے ہوے آنکھوں سے سنبھل جاتا ہی

شیفتہ بسکہ ہوں میں سرو قدوں کا کشتہ
نخل جو گور پہ اُگتا ہی سو جل جاتا ہی

گلے پہ میرے نہ دشمن کی وہ شمشیر پھرتی ہی
نہ یہاں تدبیر چلتی ہی نہ وہاں تقدیر پھرتی ہی

تیری جو کردہ ہجراں نے تجھکو دیکھکر جانا
کہ میری آنکھ کے آگے تیری تصویر پھرتی ہی

نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے
تجسس میں فغان شوق کی تاثیر پھرتی ہی

نہیں نخچیر تیرے صید گہ میں اے شکار افگن
مشکل آرزوئے خاطر نخچیر پھرتی ہے

تیرے گھر سے میرے گھر کا ہے انکو قصد اے دشمن
تری تقدیر پھرتی ہے مری تقدیر پھرتی ہے

گھٹا چھائی ہے لالہ کھل رہا ہے صبح ہوتی ہے
عنانِ عزم کیوں گلشن سے بے تاخیر پھرتی ہے

نگاہِ دلربائی یار طبع بوالہوس دیکھی
کہ آپ ہی آپ بے تقریب بے تقصیر پھرتی ہے

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن
کبھی دل میں ہوائی شیوۂ میر پھرتی ہے

ادھر مائل کہاں وہ مہ جبیں ہے
فلک کو مجھ سے کیوں پرخاش و کیں ہے

نہ دیکھا اپنے بسمل کا تماشا
قریب آکر وہ کتنا دوربیں ہے

یہ اچھا ہے تو اچھا غیر کو بھی
ستاؤ اور پوچھو کیوں غمیں ہے

ہمیں صورت دکھائے کیا تمنا
کہ عاشق جس کے ہیں پردہ نشیں ہے

یہ تجھ سے شکوہ ہے اللہ رے شوخی
کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے

یہ کیسا تفرقہ ہجراں نے ڈالا
کہیں کیا ہم کہیں ہیں دل کہیں ہے

نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب
یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

لطف اوروں پہ رہے ہمکو ستم بھی بس ہے
نہ سہی وہ بھی ہمیشہ کوئی دم بھی بس ہے

بزم دنیا میں ہی دو شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو رہے ہاں مجھکو تو یہ غم بھی بس ہی

دسترس بوسۂ پا کی جو نہیں ہی نہ سہی
اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہی

سجدۂ دوست ہوا عشق کا حصہ یعنی
اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہی

غیر پہ چاہیے ای چرخ تجھے کرنا جور
مجھ سے ناکام کو تو بخت دژم بھی بس ہی

دولتِ وصل سے کیا کام ہوس ناکوں کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہی

کی تمنائے کرم میں نے تو فرماتے ہیں
شیفتہ تیرے لیے جور و ستم بھی بس ہی

سجدے کے کسی در پہ تمنا نہیں رکھتے
گردن پہ ہنر ناصیہ فرسا نہیں رکھتے

اس کوچے میں ای نکہتِ گل جلوہ عبث ہی
ہم کچھ ہوسِ سیر و تماشا نہیں رکھتے

ہر چند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

دشوار نہیں رفع حجاب آپ سے لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے

یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہی کہ گویا
ہم جانِ حزین و دلِ شیدا نہیں رکھتے

مطلب ہے معشوق سے ناصح کو نہیں اور
ہم دیدۂ بینا دلِ دانا نہیں رکھتے

کس لطف سے وہ لطف سے فارغ ہیں کہ عشاق
تابِ نگہِ حوصلہ فرسا نہیں رکھتے

دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہی کہ بے وجہ
وہ سر پہ پرندِ گہر آما نہیں رکھتے

اے **شیفتہ** ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

خندہ زن ہیں دوست میرے دیدۂ پُر آب سے
بخت دشمن کو جگائیں میرے نالے خواب سے

وصل کی شب میں نئی باتوں سے ہم واقف ہوے
شعلہ خس ہی نہایت دیرپا مہتاب سے

میں لہو روتا ہوں ناصح اُن کا دامن دیکھکر
اُن کا دامن بھر گیا ہی میرے ہی خونناب سے

میں وہ میکش ہوں اگر بیخود بھی ہو جاؤں کبھی
ہوش آتا ہی مجھے بوئے شرابِ ناب سے

گرم خو دیکھا تو کر دیتی ہیں سب کو بیقرار
دلکو راحت ہوگئی بیتابیٔ سیماب سے

جسکو سمجھا آشنا نکلا غرض کا آشنا
دل ہی افسردہ نہایت گرمیٔ احباب سے

ضد تو دیکھو تشنہ کامِ شوق مجھکو جان کر
قتل کرتا ہی ستمگر خنجرِ بے آب سے

فرشِ مخمل پر تھے وہ ہمخواب دشمن اب میں
رہ گئے میرے کھٹکتے ہی تمامِ خواب سے

کسکی زلفِ خم بخم پھر لے گئی تاب و قرار
شیفتہ پھر کچھ نظر آتے ہو تم بیتاب سے

رقیب بوالہوس کا مُنہ ہی لطفِ جور کو دیکھے
وہ اپنی وضع کو دیکھے ہمارے طور کو دیکھے

پریوش بھی ہیں شیدائی کے شیدا ناصحو دیکھو
بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے

نظر سے فتنہ کی گردش سے گردوں کی بچا وہ ہی
جو چشمِ مست کو ساقی کی ہر گردشِ دور کو دیکھے

صفائی غیر سے کیجے مکدر ہیں نہیں تم سے
کوئی کیا خاک خوش ہو جب کسی بدطور کو دیکھے

ستم سے شیفتہ اب سطرح مایوس کرتے ہیں
وہ اپنے تاب کو دیکھے۔ ہمارے جور کو دیکھے

پھر نصیحت کی کس کو تاب رہے
جو یہی دلکو اضطراب رہے

جب خطائے نکردہ ثابت ہو
عقل کیا بر سر صواب رہے

بوئے گل کام کر چکی اپنا
دختر رز تہ نقاب رہے

ملگیا دوست منتخب پھر کیوں
شعر کا شوق انتخاب رہے

واہ رندی و میکشی کہ یہاں
عمر بھر عالم شباب رہے

جب پڑی لذت ہم آغوشی
پھر بغل میں کہاں کتاب رہے

تا نہ غافل ہو انجمن ساقی
دور میں ساغر حباب رہے

بزم دشمن کا عزم تھا موقوف
تھوڑی دیر اور گر سحاب رہے

ہے بڑھاپے میں خوف بدمستی
کہ جوانی میں کم خراب رہے

شیفتہ کوئی حال وارد ہو
پر معارف سے اجتناب رہے

منہ بنائے ہوئے اس کو سے گذر کرتا ہے
ابتو لو غیر بھی دلمیں مرے گھر کرتا ہے

ذبح اُس کو بھی موذن ہی مگر کرتا ہی	کیوں شب وصل میں غل مرغ سحر کرتا ہی
یاد میں اُس دُر دنداں کی سوا جاتا ہوں	کار الماس مرے حق میں گہر کرتا ہی
اُس کے ناوک کی توجہ پہ مری جان نثار	ہاتھ سے چھوٹتی ہی فصد جگر کرتا ہی
گر نہیں یہ کہ بہتا ہی وہ ظاہرداری	کیوں نگاہ غلط انداز ادھر کرتا ہی
دل مضطر کی رہائی میں نظر رکھتا ہی	جو ترے طرۂ خوش خم پہ نظر کرتا ہی
دیکھئے آہ ہماری بھی اثر کرتی ہی	سخن درد سُنا ہی کہ اثر کرتا ہی
ایک دن شام ہماری بھی سحر کر دیگا	وہی جو شام کو ہر روز سحر کرتا ہی
دل کے ٹکڑے ہوئے جلتے ہیں مگر مرغ چمن	آج کچھ نالہ بالحان دگر کرتا ہی
آج پھر ماتم یوسف ہی ہر اک کوچہ میں	کارواں مصر کو کنعاں سے سفر کرتا ہی
بدگماں آپ غلط محرم اسرار سے ہیں	دل ہمیں راز نہانی کی خبر کرتا ہی
جان کھوئی ہی جسے مد نظر مثل حباب	وہی مشتاق فنا چشم کو تر کرتا ہی

شیفتہ جسکو نہیں عشق وہ اپنے نزدیک
کیا بری طرح سے دنیا میں بسر کرتا ہی

عشق کی میرے جو شہرت ہو گئی	یار سے مجھکو ندامت ہو گئی
خاک عرض مدعا اُس سے کروں	جسکو باتوں میں کدورت ہو گئی

یہاں سے جانے کو ہیں وہ آچک کہیں
کیا بلا لے ابرِ رحمت ہوگئی

اب ستم اغیار پر کرنے لگے
میرے مرجانے سے عبرت ہوگئی

جلوۂ معنے نظر آنے لگا
پیتے پیتے مے یہ صورت ہوگئی

انکی باتیں اُس نے بھی چھپکر سُنیں
آج ناصح کو نصیحت ہوگئی

منع وصلِ غیر پر ہنسکر کہا
بارے اب تمکو بھی غیرت ہوگئی

بوے گل اُس گل کی بُو کے روبرو
فی الحقیقت بے حقیقت ہوگئی

بس نہ فرماتے پھرو یہ شیفتہ
گو انھیں تم سے محبت ہوگئی

وہ جو اُٹھے جان رخصت ہوگئی
شیفتہ یہ کیا قیامت ہوگئی

بوے یار اُس بزم میں آئی مجھے
جب نہ مجھے ساقی سے الفت ہوگئی

جلوہ بڈھب مانعِ نظّارہ ہے
وصل میں تاثیر فرقت ہوگئی

نغمۂ و مے سے مجھے کیا کام تھا
اُن کی صحبت میں یہ آفت ہوگئی

بے سخن نسبت ہے اللہ ہی اُسے
قوم سے جسکو کہ نسبت ہوگئی

اب رقیب بوالہوس ہیں عشق باز
دل لگانے سے بھی نفرت ہوگئی

سچ کہوں گا گو ہیں دونوں آشنا
ق بیشک ان سے سہو و غفلت ہوگئی

عشق سے کیا کیا خرابی پڑ گئی
عقل سے کیا کیا حماقت ہو گئی

شیفتہ ایک رند مشرب شخص ہی
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی

ملنے کا میرے اور تیرے چرچا نکریں گے
گر دوست ہیں اغیار تو رسوا نکریں گے

لے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھکر
یہ اہل مروت ہیں تقاضا نکریں گے

کب اہل خرابات کوئی راز کہیں گے
جبتک کہ نہ ہم سے ہمیں بیگانہ کریں گے

پہنچا ہوں میں مرنے کے قریب آتے ہیں دیکھو
وہ دور ہیں اب پاس عدو کا نہ کریں گے

جاتے ہو اگر غیر کے گھر ضد سے ہماری
ہم آپکے آنے کی تمنا نہ کریں گے

مسجد میں بھی آتا ہے خیالِ خمِ ابرو
ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

وہ مجھ سے نہ بولیں کبھی یہ بات نہو گی
وہ غیر سے باتیں کریں ایسا نہ کریں گے

اے حور لقا کیوں نہ تمنائے جناں ہو
کیا وہاں تم سے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے

ہم آپ یہ غش ہیں تو غش آیا یہ سخن کیا
تم آپسے جاتے ہو ہم آیا نہ کریں گے

ہرگز بھی نہیں خاطرِ جاناں میں ٹھکانا
اے شیفتہ ہم دعوئے بیجا نہ کریں گے

کیوں نہ مجھکو مرضِ یاس کی شدت ہو جائے
ملک الموت بھی جب بہرِ عیادت ہو جاے

گریۂ غیر سے وہ بہر عیادت ہو جائے
اشک شادی ہی یہ کاش اشک ندامت ہو جائے

اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا شادی مرگ
کیا کروں اُسکو بھی گر مجھ سے محبت ہو جائے

اور گر کچھ نہو دامانِ اجل تو کھینچوں
کاش اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے

نیم جاں وہ ہوں وہاں قتل کا آئے جو خیال
تو یہاں اُس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے

سانس بھی کل تو نہ تھی آج نکلتی ہی آہ
مجھکو ڈر ہی کہیں پھر مجھکو نہ مہلت ہو جائے

ناصحو منع کرو جب تو یقیں میں مانوں
تمکو بھی گر کسی بیدرد سے الفت ہو جائے

پاکے مشرف نہ مجھے مرنے پہ بڑے وعدے ہیں
ہی بڑا لطف اگر اب مجھے صحت ہو جائے

شیفتہ ایسی اُڑا اہلِ کدورت کی خاک
دیکھکر شیشۂ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

ہی ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے
بوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ نے تاثیر سے

عشق میں اک صید افگن کی ہی یہ جوش جنوں
فصد میری کھولنا جرّاح نوکِ تیر سے

چاہیے اغیار کو بھی اپنے منہ پر کچھ ملیں
چاہ ثابت ہوتی ہی وہاں رنگ کی تغیر سے

مر رہا ہوں درد فرقت میں نہیں دیتا کوئی
سچ اگر پوچھو تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے قبض جاں ہونے لگی
دست دشمن کم نہیں کچھ قبضۂ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جاتا ہی بعد از مرگ بھی
دیکھ لو وحشت ہی ظاہر قیس کی تصویر سے

کیا غضب ہیں وہ بھی پڑھوایا عدو سے خط میرا
وصل ہی ہوتے تو شاید کچھ اثر ہوتا اُسے

تھی جو آگاہی شکایت اُنھیں تحریر سے
کیا شبِ غم میں حصول اس آہِ بے تاثیر سے

ننگ مہمانیٔ دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کیا ذکر اُس کے آگے مری آہ کا چلے
یوں بعد ذبح چھوڑ تڑپتا ہوا سے چلے
ناصح تری زبان ترے بس میں جب نہو
محروم ہوں رقیب بھی جلوے سے یار کے
اللہ کیا غرور ہے تمکو کہ بزم سے
یہ شوق وصل ہی کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
مانا کہ جلد آؤ گے پر اس کا کیا علاج
کیوں روکتا ہی اسمیں ضرر کیا ہی ساربان
افسوس اُس نے کچھ نہ کہا سن کے حالِ دل
دیکھا جو نزع میں نے مجھے کچھ رحم آ گیا
وعدہ عدو کا آپ کی تکرار سے کھلا

جس گل کی شمع بزم سے بچکر صبا چلے
قربان ایسے آنے کے کیا آئے کیا چلے
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے
بجھ جائے شمع بزم میں ایسی ہوا چلے
ہم کتنے جلد اُٹھے پہ اِتنا کہا چلے
اُنکی گلی کی سمت مرا نقشِ پا چلے
پہلو سے اُٹھتے ہی جو مزاجی بٹھا سے چلے
دیوانہ ایک گریۂ محمل لگا سے چلے
ہم قصہ خواں کی طرح فسانہ سُنا سے چلے
گو زہر دینے آئے تھے شربت پلا چلے
ہیں نے یو نہیں کہا تھا کہ کیا آئے کیا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بیوفا
رونے مرے جنازہ پہ کیوں اقربا چلے

وہ گل کہیں جو جائے تو کیونکر ملے سراغ
مانند گرد جس کی جلو میں صبا چلے

گرمی کے عذر سے انھیں جانیکا قصد ہی
ای آہ سرد رحم کہ ٹھنڈی ہوا چلے

کیسا ہی غم رسیدہ ہو یہاں آکے شاد ہو
اک ہم تمھارے پاس خوش آئے خفا چلے

ہی کب سے مرگ و حسرت دیدار میں نزاع
وہ آکے ایک لحظہ میں جھگڑا مٹا چلے

جلدی ہی کیا ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں
آخر تری گلی سے تو اے بیوفا چلے

کیا پیش آئے دیکھئے وہاں جاکے دوستو
کہدو کہ پیچھے پیچھے مرے رہنما چلے

ای جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہگئے چلنا ہوا چلے

کس کس سے آپس بگڑ گئی کچھ یہ بھی دھیان تھا
باتیں تو آپ شیفتہ اُن سے بنا چلے

ظالم کبھی تو داد دل و چشم تر ملے
سینہ سے سینہ اور نظر سے نظر ملے

نامے صرف نہ ہی مشقت تحریر و صرف زر
رستہ ہی میں ہمیشہ ہمیں نامہ بر ملے

ہی دشمنوں سے انکو ملاقات ابر و کشت
ملتے ہیں ہم سے جیسے کہ خس سے شرر ملے

کیا پوچھتے ہو لطف کروں تجھپہ کسقدر
اذن غرور و ناز تمھیں جسقدر ملے

ہم خوب جانتے ہیں تمھارے بگاڑ کو
غیروں سے لڑکے ہم سے بھی تم بیشتر چلے

نیرنگ عشق دیکھ کہ منظور ہی اونھیں
گلگونہ میں چکیدۂ مژگان تر سے ملے

محفل طرازیوں کے مزے سب اٹھاؤنگا
وہ اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے

اب ہی اُنھیں تلاش ہماری تو فائدہ
وہ وقت بھی گیا کہ ہمارا اثر ملے

کھائے تلاش کوچۂ جاناں میں سو فریب
سبزہ جہاں ملا ہمیں یہ سمجھا خضر ملے

ظالم تبسّم نمکیں میں نہ کر دریغ
آخر ذرا تو لذّتِ زخمِ جگر ملے

وہ شیفتہ کہ دھوم ہی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کسکے گھر ملے

ابر دریوزہ گر آب ہی اکثر ہمسے
برق بھی مانگ کے لیجاتی ہی اخگر ہمسے

صلحِ کل اپنی تو دانست میں ہمینی ہی
وہ ہوئے صاف تو ہی غیر مکدّر ہمسے

ناصحو ساری نصیحت حسد و رشک سے ہی
ترک ہوتا ہی کوئی عیش مقدّر ہمسے

گردن غیر پہ چلتے نہیں دیکھا ہرگز
پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہمسے

شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہمسے

دل لیا جس نے بیوفائی کی
رسم ہی کیا یہ دلربائی کی

تذکرہ صلح کا کرو نہ کرو
بات اچھی نہیں لڑائی کی

تمکو اندیشۂ گرفتاری ... یہاں توقع نہیں رہائی کی
وصل میں کس طرح ہوں شادیٔ مرگ ... مجھکو طاقت نہیں جدائی کی
دل نہ دینے کا ہمکو دعویٰ ہے ... کسکو ہے لاف دلربائی کی
ایک دن تیرے گھر میں آنا ہے ... بخت و طالع نے گر رسائی کی
دل لگایا تو ناصحوں کو کیا ... بات جو اپنے جی میں آئی کی
شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر (ق) دینداری و پارسائی کی
آخرِ کار مے پرست ہوا ... شان ہے اُس کی کبریائی کی

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے ... زلزلہ آسمان پر کچھ ہے
نارسیٔ شب کے زور تو دیکھے ... تجھ میں بھی دمِ سحر کچھ ہے
رازِ پوشیدہ پوچھئے کس سے ... بے خبر ہے جسے خبر کچھ ہے
نالہ سنتے نہیں تو بات سنو ... خوب باتوں میں بھی اثر کچھ ہے
عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے ... دردِ دل سوزشِ جگر کچھ ہے
حُسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے ... شہر میں شورِ الحذر کچھ ہے
اُس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے ... کہ عدم سے بھی بیشتر کچھ ہے
کھوٹی باتیں ہیں اور پہلو دار ... ہاں ترے دل میں سیمبر کچھ ہے

عشق میں ساری خوبیاں ہیں جمع
اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے

رم بہت اُنس کم ہی طینت میں
وہ بہت ہی پری بشر کچھ ہے

دوست یوں ان ایکاد پڑھتے ہیں
کہ میری سمت اُسے نظر کچھ ہے

برق ہی روزگار خندۂ گل
ناز یہ فرصت اسقدر کچھ ہے

شیفتہ بھی ہی مجمع اضداد
کچھ ہنر مند بے ہنر کچھ ہے

ناز کی کیا ہوئی کیوں عشق نہیں کیا صورت ہی
آئینہ دیکھنے سے اُنکے مجھے حیرت ہی

غیر تو طعنہ نہ دے گو کہ مجھے فرقت ہی
کوہکن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہی

عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت دلمیں
غیر کو رنج ہوا ہی تو نہیں راحت ہی

کچھ نہی بات نہیں وعدہ تسلی کیا ہو
وہی حرماں وہی یاس وہی حسرت ہی

مجھ سے آزردہ ہو کیوں میں بھی تو کہتا ہوں یہی
تم ملو غیر سے ممکن ہی یہ سب تہمت ہی

گر عیادت کو عدو کو بھی لیے آئیں تو خوب
کہ مرا رشک سے مرنا سبب عبرت ہی

غیر کو یاد رہے تیری محبت ہی نہیں
اور اگر ہی تو تری مجھ سی کیوں نفرت ہی

ای عدو کس لیے نازاں ہی سمجھ تو آخر
جس سے ہم خوار ہوئے بابت وہی عزت ہی

چشم سے اشک رواں لب پہ ہی آہ سوزاں

شیفتہ کس کے لیے آپکی یہ حالت ہے

آؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی
ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

ایک حالت پر نہیں رہتا کوئی
اب وفا ہو بیوفائی ہو چکی

ہم سبک ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے
جو ہیں وہ بگڑے لڑائی ہو چکی

ضعف سے ہی آپ ہیں آنا محال
اس کے کوچہ تک رسائی ہو چکی

انکی جس صورت سے ہو بلجائیے
عیز کہتے ہیں صفائی ہو چکی

شیفتہ یہاں عشق یہ وہاں حسن وہ
دونوں عاجز نارسائی ہو چکی

زہر سے الماس سے تلوار سے
مجھکو الفت ہے انھیں دوچار سے

لیجئیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

نعش اٹھانے کا ہی اب ساماں کریں
چارہ گر بیٹھے ہیں کیوں ناچار سے

ذکر وصل غیر کر بیٹھے مباد
کیا ملیں ہم محرم اسرار سے

پھر تو قابو میں اجل کے آ چکے
بچ گئے ہم گر غم دلدار سے

کاٹ کر سر خط کی جا بھیجا اسے
کام خامہ کا لیا تلوار سے

جیب ہمارا اشک سے جی بھر گیا
بزم خالی ہو گئی اغیار سے

جو گلہ سمجھے تمہے نکلا شکر ہائے
کی شکایت ہم نے کس عیار سے

وہ ہم تو دیکھکر مرجائیں اور
زندہ ہوں مُردے تری رفتار سے

ہم آسایش سے وحشت ہوگئی
اُس پری کے سایۂ دیوار سے

پھر بلا سے کوئی بیٹھے **شیفتہ**
اُٹھ گئے جب آپ کوئے یار سے

لطف ظاہر ہے مرے آزار سے
آشتی ہے مدعا پیکار سے

فیضیاب نور دائیں بند حسن
مہر اُس کی پرتو رخسار سے

ساقیا بنت العنب وہ لاکھ ہو
دلربا زشت ہے بازار سے

غیر کو سیدھا بنایا یار نے
ہی تعجب چرخ کج رفتار سے

جی اُٹھے فرہاد اگر شیریں کہے
کیوں صدا آتی نہیں کہسار سے

کیا کہوں جوہر شناسی یار کی
مجھکو مارا تیغ جوہر دار سے

بلبلِ شوریدہ بیتاب وست
اُس کے کوچہ کو چلی گلزار سے

ہمکناری کی ہوس تھی وقت قتل
ہم لپٹ کر رہگئے تلوار سے

ہائے جوشِ بیخودی ہائے جنوں
راز الفت کہدیا اغیار سے

واہ ہوشِ پاسِ بدنامی کہ ہے
فکرِ اخفا محرمِ اسرار سے

جلد کھولو شیفتہ آغوشِ شوق
یہ صدا آئی لبِ سوفار سے

ترک ہوتا یار اور اغیار سے
قطع ہونا ربطِ گل ہے خار سے

کام جوئی اور دعوے عشق کا
یار ہی یاں مدعا ہے یار سے

ہے ضرورت غیر کو واقع میں آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے

آہ وزاری سے شکوہ حسن ہے
جیسے رونق باغ کی اشجار سے

جز دلِ شوریدہ لذت کون اُٹھائے
عندلیبِ مست کی گفتار سے

دیکھ لیں گے ہم بھی گر اغیار کو
آپ نے جھانکا سرِ دیوار سے

فصد کے قابل دلِ بیمار ہے
چارہ جو ہے نرگسِ بیمار سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہے
بارگاہِ ثابت و سیار سے

بیدلی ہے وہ جگہ جو ہے الگ
سات جنگل اور نو بازار سے

شیوہ ہائے برق خاطف شیفتہ
جلوہ گر ہیں اُس کے شوخ اطوار سے

کچھ بات راز کی ہے ذرا پاس آئیے
جی میں ہے آج خوب عدو کو بنائیے

بلبل خزاں میں آتشِ دل یوں بجھائیے
گُل کرکے شمع شمع کے قرباں جائیے

رونا ہوا ہی اشکِ ندامت کہ غش کے وہ
کہتے ہیں اور بھی کوئی دریا بہائیے

بوسہ ہنسی ہنسی میں جو کل لے لیا تو پھر
کہنے لگے بھلا ہمیں کیا منہ لگائیے

سو بار انجمن سے اُٹھاؤ ہم آئیں گے
اب اٹھ گئی کہ ناز تمہارے اُٹھائیے

آتا ہی رحم نازکیٔ گوشِ یار پر
اے وائے کیونکہ حال دل اُسکو سُنائیے

تدبیر صلح خوب ہی بن آئے بات تو
جی میں ہی آج غیر سے آنکھیں لڑائیے

گذرا ہیں اعتماد محبت کے فخر سے
مجھکو رقیب سمجھئے پر آپ آئیے

ایک نیم ناز بس ہی ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجے دیکھ کے بس مُسکرائیے

دشنام و نغمہ اسمیں ہمیں بحث کچھ نہیں
سنتے ہیں آج آپ ہمیں کچھ سُنائیے

واعظ کے قول خوب ہیں رند ورع کے فعل خوب
وہ ان سے سیکھئے یہ اُسکو سکھائیے

بے محو نقش کہنہ کہاں جائے نقش نو
سرمشق دل سے نقش تمنّا مٹائیے

ہر چند سیر کی ہی بہت تم نے شیفتہ
پر میکدہ میں بھی کبھی تشریف لائیے

لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہی
جو خاصیت کہ اُس لب اعجاز فن میں ہی

یا مرسل الرّیاح اِدھر کو بھی بھیجدے
وہ بوئے خوش کہ جیب نسیم یمن میں ہی

دیتے ہیں چشم روشنی چشم روشنی
آمد نسیم مصر کی بیت الحزن میں ہی

نیرنگِ نوبہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیب دامِ فریبِ چمن میں ہے

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خورد سال
کیفیتِ عجب مرے دیوانہ پن میں ہے

الماس لیکے آئیں گے دیتے ہیں یہ نوید
لذت نئی کچھ آج جو زخمِ کہن میں ہے

وہ آہوئے رمیدہ کہ ہم جس کے صید ہیں
نے وادئ تتار نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچۂ نشگفتہ کا ہنوز
بندِ قبائے شاہدِ گل پیرہن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلۂ برقِ غضب پڑا
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

کیا کیا پھنسا رہی ہے ہمیں دامِ رشک میں
آشفتگی کہ زلف شکن در شکن میں ہے

شیریں سے بہرہ ور نہوا ایسے شوق پر
کیا سطوتِ رقیبِ دلِ کوہکن میں ہے

خلوت میں شیفتہ سے کوئی ملکے کیا کرے
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

ہوا نہ مدِ نظر چشمِ یار کے بدلے
ہزار رنگ یہاں روزگار کے بدلے

صبا کو بھائے جو محفل کی تیری رنگینی
چمن کو داغ دیئے لالہ زار کے بدلے

کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

خلافِ عہد ہی شیوہ تو کیا قباحت ہے
ستم کا عہد وفا کی قرار کے بدلے

عجب ہی شہر ہے دلّی بھی شیفتہ ہر گز

میں روضۂ عالم نہ لوں اس دیار کے بدلے

میری خوشی کا اُن کو نہایت خیال ہے
کچھ ان دنوں میں غیر سے شاید ملال ہے

لے کچھ سنے ہیں رشک سے دل پر ہزار داغ
نام خدا یہ گرمیِ حسن و جمال ہے

نے تاب وصل غیر نہ نیروے منع غیر
تقدیر سے معارضہ کی کیا مجال ہے

قصدِ جواب ہو بھی تو کیا خاک دیں جواب
بے صرفہ متصل یہ ہجومِ سوال ہے

کچھ میرے عشق میں تمھیں شک ہو تو سامنے
دیوان خواجہ حافظ فرخندہ فال ہے

ہم نے کیا جہاں سے گذر کر جہاں مقام
وہاں وسعتِ سپہر زمیں پائمال ہے

ہے شانہ کش جو زلفِ پریشاں میں بوالہوس
فکرِ وصالِ عاشقِ آشفتہ حال ہے

ممکن نہیں کہ برقِ نگہ غیر پر پڑے
جز طور اور پہ ہو تجلّی محال ہے

کچھ آج شیفتہ ہے بہت مضطرب مگر
جانے کا اس کے غیر کے گھر احتمال ہے

ایام ہجر میں جو اجل کا خیال ہے
بیشک دماغ میں اثرِ اختلال ہے

خوش تھے کہ خونبہا ہے نظر یہ خبر نہ تھی
کیشِ جفا میں خون ہمارا حلال ہے

اُن کے خلاف وعدے سے میں شرمسار ہوں
کیونکر کہوں کہ مجھ سے اُنھیں انفعال ہے

کیا نسترن ہو تم کہ یہ پیاری شمیم ہے
کیا برگِ گل ہو تم کہ یہ زیبا جمال ہے

ساقی کو میکدے میں سرِ ناؤ نوش ہے
صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہے

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز ہے
معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شے کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی
ہر بات منطقی کے مراؤ جدال ہی

ارباب حکمتِ نظری کو عمل نہیں
اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہی

جن کو کہ دستگاہ ہی فن بخوم میں
عمر اُنکی صرف زائچہ ماہ و سال ہی

رہتے ہیں بعض در پے اسراف رات دن
بعضوں کو روز و شب سرِ توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخرِ نسب لذیذ
بعضوں کو ذوقِ دعوی فضل و کمال ہی

مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غرور لجۂ بیم زوال ہی

جو ہیں حریص سیرِ چمن اُن کو بزم میں
ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہی

جی ہیں کسی کی خواہش آرایشِ لباس
دلمیں کسی کے حسرتِ جاہ و جلال ہی

کوئی طلب میں اشہبِ گلگوں نظیر کی
کوئی اسیر شوق شکارِ غزال ہی

کوئی فدائے قامتِ آفت خرام ہی
کوئی خراب نرگسِ جادو مثال ہی

ناحق کسیکو شکر کسی کو شکائتیں
بیوجہ کوئی خوش ہی کسیکو ملال ہی

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں **شیفتہ**
اسکا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہی

تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے
تو جیسا ہے بس جی مرا جانتا ہے

ہوا انس کیوں دل کو اول نظر میں
کہ وہ مجھکو زود آشنا جانتا ہے

تظلم سے ہوتی ہے بیداد افزوں
شکایت کو شکر جفا جانتا ہے

گرفتاری غیر کا ذکر مجھ سے
مجھے کسقدر مبتلا جانتا ہے

مجھے افعی زلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اسکی دوا جانتا ہے

وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہی خرم
کہ اپنا وہ نشو و نما جانتا ہے

ستمگر کہے سے برا مانتا کیوں
ستم کو اگر وہ بھلا جانتا ہے

کبھی غیر پر جور ہوتے نہ دیکھا
مجھی کو بس اک آزما جانتا ہے

یہ دھوکا نہ کھانا کہ کم عمر ہی وہ
ابھی شیوۂ ناز کیا جانتا ہے

تامل نہ کر قتل میں میرے ہرگز
کہ عاشق کا تو خونبہا جانتا ہے

حذر مے سے واجب ہوا شیفتہ اب
مجھے یار بھی پارسا جانتا ہی

فقط یار جور و جفا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے

مجھے بیگانہ جانے نہ تجھے خلق کیا غم
اگر آشنا آشنا جانتا ہے

نہ ممنون دل طرۂ مشکبو کا
نہ الطاف باد صبا جانتا ہے

ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
عجب شیوۂ دلربا جانتا ہے

مری چشمِ پرنم کا حال اُس سے پوچھو
کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے

شکایت ہمیں شکوۂ شکر سے ہے
کہ اب وہ جفا کو وفا جانتا ہے

اُسے کنجِ خلوت کی کیا ہی ضرورت
جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے

بہر صورت آئینہ بھی مغتنم ہے
کچھ آئینِ اہلِ صفا جانتا ہے

عدو کی رعایت سے مجھکو ستانا
وہ انصاف کا مقتضا جانتا ہے

ہمیں شیفتہ کی نصیحت سے حاصل
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

دیگر

سمجھ لے اور کوئی دن رقیب خوار مجھے
عزیز رکھتے ہیں اب اُنکے رازدار مجھے

شراب عشق ہی کیا دہشتِ خمار مجھے
جنون شوق ہی کیا حاجتِ بہار مجھے

اگر کہو کہ تو عاشق نہیں میں سچ جانوں
تمھاری بات کا ایسا ہی اعتبار مجھے

حصول نام سے دلکو اگر نہو آرام
بہت عزیز نہیں جانِ بیقرار مجھے

عدو کو رشک ہی ایسا کہ مفت میں گویا
ملی ہی جائے نفس برق شعلہ بار مجھے

عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہے / نہ شوق باغ رہا نہ سر شکار مجھے

ملا عدو کو مے و نغمہ برق و باراں سے / صبا سے خاک ملی اور گل سے خار مجھے

خلاف وعدہ مسلّم وفائے وعدہ غلط / غرض کچھ اور نہیں غیر انتظار مجھے

خجل ہوں آپ میں ہوں وقت اپنے آنے سے / تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہی رقیب سے صحبت وہی قدح خواری / کیا ہی آپ نے ناحق امیدوار مجھے

جفا کو ترک کرو تم وفا کو میں چھوڑوں / کچھ اشتہار نہیں ہو کچھ اشتہار مجھے

رہے سرا پا مکتومہ دل ہی میں افسوس / جہان میں نہ ملا کوئی رازدار مجھے

تمام شورش و سر تا قدم شکایت ہوں / نعوذ باللہ اگر وہاں ملے گزار مجھے

ہلاک جلوۂ زیبا خراب بادۂ ناب
تمہارے شیفتہ معلوم ہیں شعار مجھے

دیگر

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے / کہ کس کے وعدے پر اتنا ہی انتظار مجھے

ہزار شکر کہ اس کی گلی میں چھوڑ گئی / نسیم جان کے اک ناتوان غبار مجھے

یہی گمان یہی رشک ہے اگر تو کبھی / نہ کوئی دوست ملیگا نہ کوئی یار مجھے

جفائے شحنہ ہے منظور پر نہیں منظور / خلاف شیوۂ رندان بادہ خوار مجھے

عدو کے حق میں پھر آیا وہی زمانۂ عیش / کھلے یہ معنی سیال غیر تار مجھے

جو بادشاہ بلائے تو میں نہیں جاتا
کہ ان دنوں میں کسیکا ہی انتظار مجھے

جو شور شیں نہ مچاتا اسیر کیوں ہوتا
خراب تو نے کیا جلوۂ بہار مجھے

عدو کے ساتھ بھی آخر جفا ہوئی آغاز
کسی طرح بھی نہ رکھا امید وار مجھے

رفیق ہیں متردد رقیب ہیں فارغ
عزیز رکھتی ہی وہ چشم فتنہ بار مجھے

قفس میں کرتی ہی تحریک بال جنبانی
نوائے دلکش مرغانِ شاخسار مجھے

لیا ہی تھا نگہ پر فسوں نے دل لیکن
کیا ادائے تغافل نے ہوشیار مجھے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بڑے فساد اٹھیں **شیفتہ** خدا نہ کرے
کہ انکی بزم میں ہو دخل و اختیار مجھے

سحر گئی جو وہ گلگشت گلستاں کے لیے
صبا تپش میں ہی گلہائے بیخزاں کے لیے

انھیں ہی ہم سے محبت عمل کی کیا حاجت
اگر کرو تو کرو اُن کے پاسباں کے لیے

متاعِ بیش بہا شہر عشق میں ہی وفا
یہ آہ و نالہ ہی آرائشِ دکاں کے لیے

وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا
جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

منفر بانِ ملک کا ہی آسماں پہ دماغ
خزانہ چاہیے قارون کا ارمغاں کے لیے

سحر کے ساتھ ہی آتے ہیں کوے جاناں میں
عدو ہنسی کے لیے اور ہم فغاں کے لیے

کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے

جو بوستاں میں گیا میں ہلاکِ قامتِ یار
قیامت آئے گی شمشادِ بوستاں کے لیے

ہر ایک سے ہوئی قسمت بقدرِ استعداد
خرد ہی پیر کے اور زور ہی جواں کے لیے

غرض یہ ہی کہ مکر جائیں گر پڑے حاجت
کہ مُہر نامہ پہ کرتے نہیں نشاں کے لیے

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی
کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کے لیے

نہ میکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع
دعائے خیر ہی اُس آفتِ جہاں کے لیے

متاعِ دانش و دیں کی ضرور ہی تسلیم
کمال بے ادبی ہے سخن اماں کے لیے

زیاں ہے عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر
معاملہ ہی کیا ہو اگر زیاں کے لیے

ہمارے ساتھ ہیں وہ موشگافیاں کہ نہ پوچھ
یہ نکتہ بس ہی کہ آفت ہی نکتہ داں کے لیے

اثر اگرچہ بنا بہرِ نازِ دلکش دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگر فشاں کے لیے

یہ ضبطِ راز کی تعلیم شیفتہ بیجا
زبان ہمکو ملی ہی اگر بیاں کے لیے

دیگر

جو کوئے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لیے
نہیں ہی خواب سے بہتر کچھ ارمغاں کے لیے

تمام علتِ درماندگی ہی قلتِ شوق
تپش ہوئی ہے پر پرواز مرغِ جاں کے لیے

سنی اکابرِ دیواں سے آخر آیۂ یاس
غلط تھی پہلی ہی کوشش خطِ اماں کے لیے